فاضل بریلوی اور ترکِ موالات

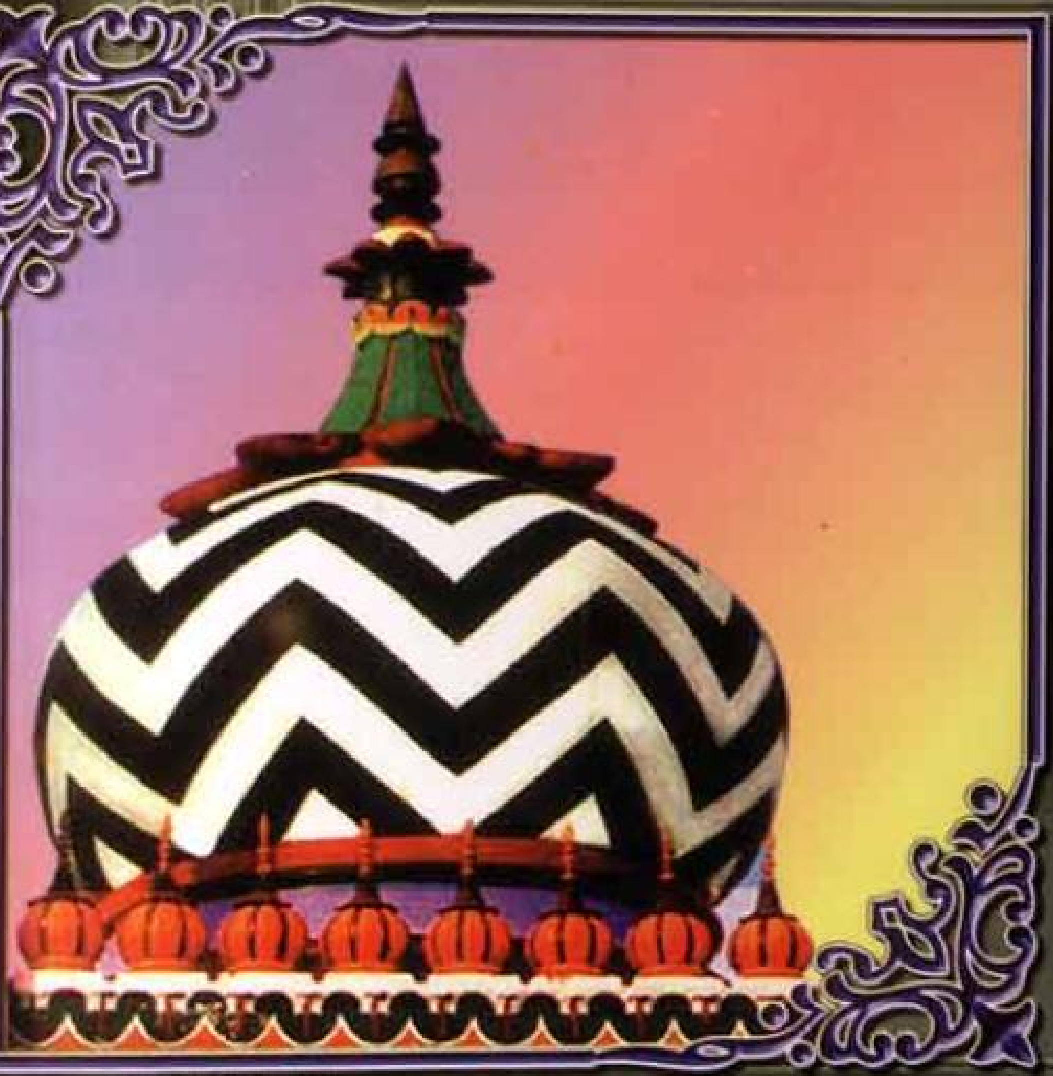

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم اے، پی ایچ ڈی

ادارۂ مسعودیہ

۵-ای، ۶/۲، ناظم آباد کراچی (سندھ)

اِسلامی جمہوریہ پاکستان

فاضل بریلوی قدس سرہٗ

اور

ترکِ موالات

مع اضافات جدیدہ

از

پروفیسر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

نام کتاب ....فاضل بریلوی اور ترک موالات

تصنیف .... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

سن اشاعت......................۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء

ناشر ....ادارۂ مسعودیہ ' کراچی

ہدیہ ....

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ: ۲/۶،۵۔ای ناظم آباد، کراچی۔فون 6614747

۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز۔: ضیاء منزل (شوگن مینشن)

محمد بن قاسم روڈ آف ایم، اے، جناح روڈ، عیدگاہ کراچی فون نمبر 2633819-2213973

۳۔ فرید بک اسٹال: 38۔اردو بازار، لاہور، فون:042-7224899-7312173

۴۔ ضیاء القرآن: 4۔انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی فون:2630411-2210212

۵۔ مکتبہ غوثیہ: پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی نمبر ۵

فون:4910584-4926110

۶۔ مکتبہ الجامعہ نقشبندیہ بستان العلوم: کنڈ ہالہ (مجاہدہ آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض حال

(علامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری)

تحریکِ ترک موالات جو گاندھی کے اشارے پر چلائی گئی اسی کے متعلق حکمِ شرع بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۰ء میں "المحجۃ المؤتمنۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو مسلمانوں کے لیے ہدایت کا روشن مینار ثابت ہوئی۔ علامہ اقبال اور جناب محمد علی جناح جیسے لیڈروں کو بھی بعد میں اسی طرف آنا پڑا، اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو "دو قومی نظریہ" کے اس دور میں اوّلین علمبردار فاضل بریلوی ہی تھے۔

زیرِ نظر مقالے میں مخدومی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ نے بڑے منصفانہ اور مبصرانہ انداز میں "تحریکِ ترک موالات" پر مدلل روشنی ڈالی ہے اور اس تحریک کے بارے میں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا نظریہ وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اس تاریخی اور اظہر من الشمس حقیقت کے چہرے پر جو مدتوں سے پردے ڈالے جا رہے تھے انھیں بڑے سلیقے سے ہٹا دیا ہے۔ موصوف کی اس کوشش کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

پیش لفظ

مارچ ۱۹۷۰ء میں کوئٹہ کے زمانہ قیام کے دوران (صدر مرکزی مجلس رضا لاہور) کا ایک گشتی مراسلہ ملا جس میں تحریر تھا کہ اراکین مجلس رضا کی نگرانی میں ایک مجموعہ مقالات بعنوان "انوار رضا" شائع ہو رہا ہے جس میں فاضل بریلوی پر مشاہیر علما و فضلاء کے مضامین شامل ہوں گے اس لیے فاضل بریلوی کے کسی ایک پہلو پر مقالہ قلم بند کیا جائے۔ کچھ عرصہ پہلے جناب اختر شاہجہاں پوری نے بھی ایک مقالے کی فرمائش کی تھی، عدیم الفرصتی کی وجہ سے راقم نے معذرت پیش کر دی تھی مگر اختر صاحب نے مئی ۱۹۷۰ء میں پھر تقاضا فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کی محبت و اخلاص اور فاضل بریلوی سے راقم کے تعلق خاطر نے مجبور کر دیا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ پیش نظر عنوان کا انتخاب کیا، مگر مصروفیت کی وجہ سے اس کا نباہنا مشکل ہو گیا۔ بہرکیف اپنی سی کوشش کی اور مبیضہ تیار کر کے نومبر ۱۹۷۰ء میں صدر مرکزی مجلس رضا کی خدمت میں ارسال کر دیا، موصوف نے چند ضروری اضافوں کیلئے جنوری ۱۹۷۱ء میں مقالہ واپس ارسال فرما دیا، چنانچہ یہ اضافے کر دیے گئے اور حسب ہدایت مبیضہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خدمت میں ارسال کر دیا گیا جو اب ہدیۂ قارئین ہے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے مگر علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا، جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو بڑی حد تک بالکل نابلد ہے چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا ایک فاضل نے فرمایا کہ "مولانا احمد رضا خاں کے پیرو تو زیادہ تر جاہل ہیں" گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے، انا للہ و انا الیہ راجعون ——

ضرورت ہے کہ ایک سچی، صحیح، مستند، محقق، مدلل سوانح، جدید سوانحی اور تحقیقی اصولوں کے تحت لکھی جائے اور آپ کے علمی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ منظر عام پر لایا جائے۔
اب تک جو سوانح سامنے آچکی ہیں، ناکافی ہیں اور جدید سوانحی معیار کے مطابق نہیں، بالخصوص سوانح میں اسلوب بیان ایسا حقیقت پسندانہ ہونا چاہیے کہ دوست و دشمن سب دیکھیں، پڑھیں، غور و فکر کریں ــــ دوست اپنی عقیدت و محبت کو سنواریں اور دشمن آنکھوں سے پردے ہٹائیں، دلوں کی گرہیں توڑیں اور پھر بے ساختہ کہہ اُٹھیں ؎

ساقی قدحے کہ ہست عالم ظلمات!

خدا کرے کہ کوئی ایسا باہمت مردِ میدان میں آئے اور یہ اہم کام کر گزرے ورنہ قارئین دعا کریں کہ مولا تعالیٰ مجھ کو اتنی ہمت و فرصت عطا فرمائے کہ اس عاشق صادق اور کشتۂ تیغ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور حقیقی سوانح لکھنے کی سعادت حاصل کرسکوں۔
آمین ثم آمین۔

(پروفیسر) محمد مسعود احمد
ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی
ٹنڈو محمد خاں (سندھ)
۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء

فہرس

۱۔ حیات مبارک ـــــــــــ ۹ تا ۲۴
۲۔ پس منظر ـــــــــــ ۲۵ تا ۵۱
۳۔ ترک موالات ـــــــــــ ۵۲ تا ۷۲
۴۔ تحریکِ پاکستان ـــــــــــ ۷۳ تا ۸۰

پروفیسر عبدالشکور شاد
(کابل یونیورسٹی، کابل افغانستان)

"علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں اور تاریخ علم و فرہنگ افاغنہ اور آریانا دائرۃ المعارف کو لازم ہے کہ اسمائے گرامی کو ساری مؤلفات کے ساتھ اپنے اداروں میں محفوظ کرے۔"

(پیغامات یوم رضا ۔ ص ۳۳)

فاضل بریلوی اور ترک موالات

از
پروفیسر محمد مسعود احمد
ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (م ۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اور جد امجد مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ (م ۔ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) بلند پایہ عالم اور صاحب دل بزرگ تھے[1]۔ فاضل بریلوی نے اپنے نعتیہ دیوان میں ان دونوں بزرگوں کا اس طرح ذکر فرمایا ہے ؎

احمد ہندی رضا ابن نقی ابن رضا[2]

فاضل بریلوی کی ولادت باسعادت ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (روہیل کھنڈ) میں ہوئی[3] یعنی انقلاب ۱۸۵۷ء سے ایک سال قبل ایک فکری

[1] رحمان علی، مولوی: تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو)، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۹۰، ۱۴۳، ۱۳۵
[2] احمد رضا خاں: حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ) حصہ دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۸۵۔
[3] (ا) رحمان علی: تذکرۂ علمائے ہند، ص ۹۰۔
(ب) بدرالدین احمد قادری: سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ص ۸۵
(ج) نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر، جلد اول، ص ۴۲۔

انقلاب کا بے باک نقیب دنیا میں تشریف لایا ؎

سالہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

فاضل بریلوی کا اسم شریف "محمد" رکھا گیا اور تاریخی نام "المختار" (۱۲۷۲ھ)، خود فاضل بریلوی نے اس آیۂ کریمہ سے اپنا سنہ ولادت نکالا ہے :۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ[1]
(۱۲۷۲ھ)

(ترجمہ) وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی طرف روح سے ان کی مدد فرمائی۔

جدِ امجد مولانا رضا علی علیہ الرحمہ نے 'احمد رضا' نام تجویز فرمایا، بعد میں خود فاضل بریلوی نے اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ 'عبدالمصطفیٰ' کا اضافہ فرمایا جس سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت قویہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے چنانچہ اپنے نعتیہ دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تُو تو ہے 'عبدِ مصطفیٰ'
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

فاضل بریلوی نے علوم معقول و منقول کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے فرمائی۔[2] آپ کے علاوہ مولانا ابوالحسین نوری مارہروی، علامہ عبدالعلی رامپوری

---

[1] بدرالدین احمد قادری: سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۵۰، احمد رضا خاں، حدائقِ بخشش، حصہ اول، ص

[2] مولانا رحمان علی نے آپ کی جن ایسی تصانیف کا ذکر کیا ہے جس سے آپ کی فضیلت علمی کا اندازہ ہو سکتا ہے، ملاحظہ کریں تذکرۂ علمائے ہند، ص ۵۲۰ - ۵۲۲

اور مرزا غلام قادر بیگ وغیرہم سے بھی استفادہ فرمایا[1]، بہرکیف تیرہ چودہ سال کی عمر شریف میں ۱۴۔ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کو فارغ التحصیل ہو گئے اور اسی دن رضاعت کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب تحریر فرما کر فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا، اس کے بعد والد ماجد علیہ الرحمہ نے افتاء کی ساری ذمہ داریاں آپ کو تفویض فرما دیں۔

فاضل بریلوی ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء، فاضل بریلوی نے شیخ طریقت کی منقبت میں ایک قصیدہ تحریر فرمایا ہے جس کا مطلع ہے ؎

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول[2]

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ اس موقع پر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانگی کے وقت ایک نظم تحریر فرمائی تھی جو واردات و کیفیات قلبیہ کا آئینہ ہے اور جس کے حرف حرف سے عشق و محبت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اس نظم کا مطلع ہے ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو[3]

---

[1] بدر الدین قادری، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۸۶ - ۸۸

[2] احمد رضا خان، حدائق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۵

[3] ایضاً حصہ اول، ص ۵

اسس سفر مقدس میں حرمین کے اکابر علماء مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دحلان اور مفتی حنفیہ عبدالرحمٰن سراج رحمہما اللہ وغیرہ سے حدیث، تفسیر اور فقہ و اصول فقہ میں سندیں حاصل کیں اور اسی سفر میں حرم شریف میں نماز مغرب کے بعد ایک روز امام شافعیہ حسین بن صالح علیہ الرحمہ بغیر کسی سابقہ تعارف کے بیساختہ آگے بڑھ کر فاضل بریلوی کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں، فرطِ محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہتے ہیں اور پھر جوشِ عقیدت میں فرماتے ہیں :۔

انی لاجد نور الله من هذا الجبین[1]

بیشک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔

سچ کہا ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہے جو کچھ وہاں گزرتی ہے یہاں صاف صاف نظر آجاتا ہے اور پانے والے پا لیتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے جو یہ تمنا کی تھی ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

یہ دعا مقبول ہوئی اور یہ تمنا پوری ہوئی اور وہ چمک عطا ہوئی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کو دیکھ دیکھ کر خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ بہرکیف واقعہ مذکورہ کے بعد شیخ حسین بن صالح نے صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔ غالباً اسی نورانیت کی مناسبت سے جس نے شیخ ممدوح کو متاثر کیا تھا۔

۱۳۲۳ھ میں فاضل بریلوی دوسری بار حج بیت اللہ شریف[2] کے لیے تشریف

---

[1] رحمان علی: تذکرہ علماء ہند، ص ۹۹ - تکملۃ احمد رضا خاں، حدائق بخشش، حصہ اول، ص ۱۰۔

[2] اس مبارک سفر کی ایک علمی یادگار الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ہے۔ علمائے حجاز نے اس پر جو تقاریظ لکھی ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں یہ تقاریظ الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیۃ کے نام سے ۱۹۷۵ء میں کراچی سے شائع ہو چکی ہیں۔ مسعود

لے گئے۔ اس موقعہ پر جو نظم لکھی تھی اس کا مطلع ہے سے

شکر خدا آج گھڑی اس سفر کی ہے

جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے[۱]

اس سفر میں بھی علمائے حجاز نے بڑی قدر و منزلت فرمائی۔ علمائے حجاز جس قدر و منزلت اور عزت و احترام سے آپ کو دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ ان تقاریظ کے مطالعہ سے ہوتا ہے جو حسام الحرمین میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس میں علماء و فضلاء نے آپ کو ان القاب سے یاد فرمایا ہے:۔

معرفت کا آفتاب، فضائل کا سمندر، بلند ستارا، دریائے ذخار، بحر ناپیدا کنار، یکتائے زمانہ، دین اسلام کی سعادت، دائرۂ علوم کا مرکز، سحبان فصیح انسان، یکتائے روزگار وغیرہ وغیرہ اور علامہ سید اسمٰعیل خلیل المکی نے تو یہاں تک فرمادیا:۔

اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے

تو بلاشبہ حق و صحیح ہے[۲]

نہ صرف علمائے حجاز بلکہ دیگر مسلم ممالک اور ہندوستان کے علماء کی اکثریت آپ کے تبحر علمی کی معترف تھی، چناں چہ الصوارم الہندیہ کی تقاریظ کے مطالعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

پاک و ہند کے مشہور شاعر اور مفکر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم آپ کے معاصرین میں سے تھے اور آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

---

[۱] ایضاً، ص ۹۷ [۲] احمد رضا خاں مولانا۔ حسام الحرمین (مصنفہ ۱۳۲۴ھ) ص ۱۳۰، مطبوعہ لاہور

نوٹ: تفصیلات کے لیے مطالعہ فرمائیں، راقم کا مقالہ "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مرکزی مجلس رضا لاہور نے اس کے تین اڈیشن، بالترتیب ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں شائع کیے ہیں۔ مسعود

ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہُوا۔
ـــــــــ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے
اور ان کے فتاویٰ، ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت
اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں ـــــــــ مولانا ایک دفعہ
جو رائے قایم کرلیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قایم رہتے ہیں، یقیناً وُہ اپنی
رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں لہٰذا انھیں اپنے شرعی
فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ
ان کی طبیعت میں شدّت زیادہ تھی ـــــــــ اگر یہ چیز درمیان میں نہ
ہوتی تو مولٰنا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے۔[1]

یہ اس فاضل کی رائے ہے جو قانون پر گہری نظر رکھتا تھا ـــــــــ آخر میں جس شدت کا ذکر فرمایا ہے اس میں نفسانیت کا شائبہ تک نہ تھا، محبت و عشق کی جلوہ گری تھی، اہل محبت کے ساتھ ان کا جو معاملہ تھا اس کو دیکھ کر اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے:-

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وُہ طوفاں

علامہ اقبال مرحوم نے ضربِ کلیم میں مردِ مسلمان، مردِ بزرگ اور مردانِ خدا کے عنوانات سے جو منظومات تحریر فرمائی ہیں وُہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی فطرتِ سلیمہ، سیرت کاملہ، اخلاق فاضلہ، افکار عالیہ، تحریر و تقریر اور تبلیغ و ارشاد وغیرہ سب پر حاوی ہیں۔ چوں کہ اس مقالے میں سیرتِ رضویہ کا مختصراً تعارف کرانا ہے اس لیے ان منظومات سے بعض اشعار

---

[1] محمد صدیق اکبر: آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ۔ ماہنامہ عرفات (لاہور) اپریل، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷
(بحوالہ: ڈاکٹر احمد عابد، بیت القرآن، لاہور)

پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے آئینے میں سیرت کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

مردانِ خدا کے عنوان سے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قبا پوشی و کلہ داری!

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری [1]

پھر مردِ مسلماں کے عنوان سے فرماتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان [2]

اور مردِ بزرگ کے عنوان سے فرماتے ہیں:

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال: کلیاتِ اقبال، مطبوعہ دہلی، ص-۱۸۳

[2] ایضاً، ص-۱۸۹-۱۹۰

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق

قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں !!!

ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو

شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں !

بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

یہ آفتاب شریعت و ماہتاب طریقت ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو نماز جمعہ کے وقت بریلی شریف میں غروب ہوگیا۔ عالم کی موت عالَم کی موت ہے اور پھر جلیل القدر عالم کی موت! ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا لیکن یہ تاریکی بھی اس کے فیض سے محروم نہ رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے تارے چمکنے لگے ؎

فروغِ شمع تو قایم رہے گا روزِ محشر تک

مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

فاضل بریلوی کے واقعات و حالات وصال بڑے دل افروز ہیں[۲]، آپ نے وصال سے قبل ہی الہامی طور پر اس آیۂ کریمہ سے مادۂ تاریخ وفات نکالا تھا! ـــ ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ و اکواب[۳]۔ آپ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے

۱؎ ایضاً، ص ۲۱۷

۲؎ حسنین رضا خاں، وصایا شریف، مطبوعہ لاہور ملاحظہ کی جائے۔

۳؎ ایضاً، ص ۱۲

یہ مادۂ تاریخ نکالا ہے۔" امام الہدی عبد المصطفیٰ احمد رضا علیہ الرحمہ"

فاضل بریلوی کثیر التصانیف عالم تھے۔ ان کی تصانیف ایک اندازے کے مطابق پچاس مختلف علوم و فنون پر ایک ہزار کے قریب ہیں، اس لحاظ سے دنیائے اسلام میں تصنیف و تالیف کی کثرت کے اعتبار سے فاضل بریلوی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ۔ مولانا رحمان علی نے اپنی تالیف تذکرۂ علمائے ہند میں (جو ۱۳۰۵ھ میں لکھنی شروع کی تھی) فاضل بریلوی کی ۷۵ تصانیف کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد تحریر فرمایا ہے،

تصانیف وے تا ایں زماں ہفتاد و پنج مجلد رسیدہ اند[1]

اس وقت فاضل بریلوی کی عمر شریف تقریباً ۳۲ سال ہوگی اور چودہ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کا آغاز فرمایا۔ اس طرح یہ ۷۵، تصانیف تقریباً ۱۸ سال کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد ۳۵ سال حیات رہے ۔ جب ابتداء کا یہ عالم تھا تو کوئی تعجب نہیں کہ انتہا اتنی ہی شاندار ہو ع

ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

آپ کی تصانیف کے متعلق تفصیلات مختلف کتابوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً تذکرۂ علماء ہند، (رحمان علی)، حیاتِ اعلیٰ حضرت (محمد ظفر الدین بہاری) قاموس الکتب اردو (انجمن ترقی اردو)[2]، تذکرہ علمائے حال[3] وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر تصانیف کے علاوہ آپ نے

---

[1] رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند: مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۴ء / ۱۳۳۲ھ، ص ۱۸ و قاموس المشاہیر جلد اول، ص ۹۴

[2] ایضاً ص ۱۶۷، ۱۷۱ [3] انجمن ترقی اردو: قاموس الکتب اردو۔ جلد اول۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۰، ۱۸۹، ۱۸۱، ۳۸۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۸۸۳، ۹۱۰، ۹۲۳، ۹۲۴ اور ۱۰۴۳

[3] نیز ملاحظہ ہو (۱) بدرالدین: سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۔ ۳۶۹ ۔ ۳۸۱ (ب) ظفر الدین بہاری: المجمل المعدد لتالیفات المجدد، ۱۳۲۷ھ (ج) اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۶۸ء، ص۔

مختلف فنون و علوم کی تقریباً اسّی کتابوں کے حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں اور اس سارے علمی سرمایہ کے علاوہ دو علمی شاہکار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک شاہکار فتاویٰ رضویہ ہے جس کا پورا نام العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ ہے اور بارہ مجلدات پر مشتمل ہے، ہر مجلد جہازی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اکثر فتاوے بجائے خود تحقیقی مقالات و رسائل کا حکم رکھتے ہیں۔ ابتدائی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

دوسرا علمی شاہکار قرآن کریم کا ترجمہ ہے[1]، نگاہِ محبت سے بہت کم لوگوں نے ترجمہ کیا ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے جہاں اور علمی صلاحیتوں و لیاقتوں کی ضرورت ہے، وہاں نگاہِ پاک ہیں اور 'جانِ بے تاب' کی بھی ضرورت ہے، اس نظر سے فاضل بریلوی کا اردو ترجمۂ قرآن اپنی مثال آپ ہے ؎

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن
خوبیٔ یار کا جواب کہاں

فاضل بریلوی متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی اور سخن سنجی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ انھوں نے نعت گوئی کو مسلک شعری کی حیثیت سے اپنایا اور اسکو وہ کمال بخشا، اردو شاعری میں جس کا جواب نہیں۔ خود فرماتے ہیں:

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم[2]

---

[1] یہ ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے ۱۳۳۰ھ میں منظر عام پر آیا، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس پر خزائن العرفان کے نام سے تفسیری حواشی تحریر فرمائے، جس پر مولوی سرفراز گکھڑوی نے چند اعتراضات وارد کیے ہیں، اس کا مسکت جواب مولوی غلام رسول سعیدی نے توضیح البیان لخزائن العرفان کے نام سے تحریر کیا ہے۔

[2] احمد رضا خاں: حدائق بخشش، حصہ اول ص ۱۳۰

ان کی نعتیں جذباتِ قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر ہیں، انھوں نے نعت گوئی بھی قرآن ہی سے سیکھی ہے، خود فرماتے ہیں : ؎

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روزِ ازل ہی سے مدحتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے مقسوم کر دی گئی تھی ؎

ز حسنت تا بہار تازہ گل کرد

رضا یت را غزل خواں آفریدند[2]

انھوں نے جس کسی کی تعریف کی اسی ایک نسبت سے کی، اولیا رِ کاملین کی منقبتیں لکھیں مگر اہل دول کی مدح و ثنا سے اپنے عشق و محبت کو رسوا نہ کیا ؎

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں[3]

یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایسا باکمال شاعر جس کی شاعری مصحفِ مقدس کے سرچشمۂ صافی سے مستفیض ہے اردو شاعری کے تذکروں اور تاریخوں میں وہ مقام حاصل نہ کر سکا بلکہ وہ مقام نہیں دیا گیا جس کا وہ مستحق تھا، سچ تو یہ ہے کہ اس کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ اس امر کا متقاضی تھا کہ اس کو شعراء کی عام صفوں میں کھڑا نہ کیا جائے، وہ نعت گو شعراء کا امام برحق تھا، وہ اپنی مثال آپ تھا، اس کو نہ داد و تحسین کی ضرورت تھی، نہ صلے کی پروا، اس کے کلام بلاغت نظام کو سُن سُن کر مرغانِ چمن، پورے کا پورا چمن نذر کرتے ہیں ؎

---

[1] ایضاً، حصہ دوم، ص-۹۹

[2] ایضاً، حصہ دوم، ص ۱۱۲

[3] ایضاً، حصہ اول، ص ۲۰۴

اے رضاؔ وصف رُخِ پاک سُنانے کے لیے
نذر دیتے ہیں چمن، مرغِ غزل خواں ہم کو[1]

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا فاضل بریلوی کو مختلف سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی مثلاً سلسلۂ قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ، نقشبندیہ وغیرہ۔ آپ کے مریدین کی تعداد کا استقصاء تو بہت مشکل ہے، خلفاء کی تعداد بھی کم نہیں۔ حرمین شریفین اور پاک و ہند میں جن علمائے اسلام کو آپ نے اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا ان کے اسماء گرامی مولٰنا بدرالدین احمد نے الاجازات المتینہ اور الاستمداد وغیرہ سے اپنی کتاب میں نقل فرمائے ہیں، بعض خلفاء کا علم دوسرے ذرائع سے بھی ہوا۔ بہرکیف حرمین شریفین میں مندرجہ ذیل حضرات کو اجازت وخلافت سے نوازا:[2]

شیخ محمد عبدالحیٔ، شیخ صالح کمال مکی، سید اسمٰعیل مکی، سید مصطفیٰ مکی، شیخ عبدالرحمٰن مکی، شیخ محمد عابد مکی، شیخ علی بن حسین مکی، سید خلیل مکی، سید ابو حسین محمد مرزوقی مکی، شیخ اسعد دھان مکی، شیخ جمال مکی، شیخ عبداللہ مکی، سید عبداللہ دحلان مکی، شیخ بکر رفیع مکی، شیخ حسن، سید سالم، سید علوی، سید ابو بکر، سید محمد بن عثمان، شیخ محمد یوسف، شیخ عبدالقادر کردی مکی، شیخ عبداللہ فرید، سید مامون بری مدنی، سید محمد سعید مدنی، شیخ عمر مدنی اور مولٰنا ضیاءالدین نزیل مدینہ منورہ۔

اور پاک و ہند میں مندرجہ ذیل حضرات کو اجازت اور خلافت سے مشرف فرمایا:

مولٰنا حامد رضا خاں، مولٰنا مصطفیٰ رضا خاں، مولٰنا محمد ظفرالدین بہاری، مولٰنا سید دیدار علی شاہ، مولٰنا امجد علی اعظمی، مولٰنا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی، مولٰنا احمد مختار صدیقی، مولٰنا عبدالاحد قادری، مولٰنا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولٰنا محمد رحیم بخش آروی

---

[1] ایضاً حصہ اول ص ۷، ۵
[2] بدرالدین احمد: سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۰۶

مولانا لعل محمد خاں مدراسی، مولانا عمر بن ابو بکر، مولانا محمد شفیع بیسلپوری، مولانا محمد حسنین رضا خاں، مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں، مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں، مولانا مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا احمد حسین امروہوی، مولانا عبدالسلام جبل پوری، مولانا عبدالباقی برہان الحق جبل پوری، سید فتح علی شاہ[۱]، مولانا ابو البرکات سید احمد قادری وغیرہ۔

فاضل بریلوی کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے، اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہ تلامذہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے اور فاضل بریلوی کے پیغام کو دور و نزدیک پہنچایا۔ تحریک پاکستان میں بھی فاضل بریلوی کے خلفاء، تلامذہ اور متبعین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی فاضل اس طرف متوجہ ہوں اور ان حضرات کی مساعی کا تاریخی نظر سے تحقیقی جائزہ لے کر حقائق کو واشگاف فرمائیں بہرکیف ہم نے ترک موالات پر بحث کے بعد "تحریک پاکستان" کے عنوان سے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔

تلامذہ میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں:

مولانا حسن رضا خاں، مولانا محمد رضا خاں، مولانا حامد رضا خاں، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، مولانا حسنین رضا خاں، مولانا سلطان احمد خاں، مولانا سید بشیر احمد، مولانا حافظ یقین الدین، مولانا حافظ عبدالکریم، مولانا سید نور احمد چاٹگامی، مولانا منور حسین، مولانا واعظ الدین، مولانا عبدالرشید عظیم آبادی، مولانا شاہ غلام محمد بہاری، مولانا حکیم عزیز غوث، مولانا نواب مرزا وغیرہ وغیرہ

---

[۱] ایضاً، ص ۲۰۳

نوٹ: پاک و ہند کے بعض خلفاء کے حالات روزنامہ سعادت (لائل پور) کے جون ۱۹۶۹ء کے خصوصی نمبر میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ جناب محمد صادق قصوری نے "خلفائے اعلیٰ حضرت" کے عنوان سے اپنی کتاب مکمل کر لی ہے جو ۱۹۷۰ء میں شائع ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

مسعود

یہ اُس فاضل جلیل کی سوانح ہے جس کو اب تک جانا پہچانا نہ گیا، سوانح کیا ہے محض ایک خاکہ ہے، اس اجمال کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے، کوئی کیا لکھے اور کہاں تک لکھے؟ــــ غور سے دیکھا تو سیرت کیا ہے ایک 'بحرِ ناپیدا کنار' ہے جس کو ہماری کم نگاہی نے 'جوئے کم آب' بنا دیا تھا۔ یہ مبالغہ نہیں، حقیقت ہے ــــ اس وقت ہمارا موضوع سیرت نہیں، سیاسی بصیرت کا تعارف مقصود ہے اس لیے سوانح کے سلسلے میں فاضل بریلوی کی علمیت، فقاہت، قوتِ تصنیف و تالیف، روحانی عظمت اور ہمہ گیر مقبولیت کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے بہت ہی مختصر ہے ــــ قدرے تفصیل کے لیے راقم کا مقالہ "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" مطالعہ کریں جو مرکزی مجلس رضا کے اہتمام میں ۱۹۷۳ء میں شائع ہو گیا ہے۔

اس کے علاوہ راقم کا تحقیقی مقالہ "رضا بریلوی" بھی مطالعہ کریں جو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو)، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی جلد دہم میں شائع ہو گیا ہے۔ انگریزی میں ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "احمد رضا خاں" فرانس بھیجا ہے جو لیڈن (ہالینڈ) سے شائع ہوگا، ایک اور تحقیقی مقالہ بعنوان: NEGLECTED GENIUS OF THE EAST بریڈ فورڈ (انگلستان) بھیجا ہے۔ یہ مقالہ انگلستان اور پاکستان سے عنقریب شائع ہوگا۔

ــــ احباب کے اصرار اور دل کی چاہت پر فاضل بریلوی کی مفصل و مبسوط سوانح لکھنے کا ارادہ ہے، قارئین کرام دعا فرمائیں اور تکمیل آرزو تک انتظار کریں۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ ترک موالات کے متعلق فاضل بریلوی کے افکار و خیالات پیش کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترک موالات کا تاریخی پس منظر پیش کر دیا جائے۔

پس منظر

مولانا کوثر نیازی

(پاکستان کے سابق مرکزی وزیر اور مشہور دانشور و قلمکار)

بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور "احمد رضا خاں بریلوی" جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ (مولانا کوثر نیازی، بحوالہ تقریب اشاعت ارمغانِ نعت، کراچی ۵،۷۹ص ۲۹)

پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور پورے ملک میں انگریز حاکموں کے خلاف ایک شورش برپا ہو گئی، ممکن ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اور مسلمانوں کی فطری جذباتیت کے پیش نظر مسٹر گاندھی نے کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کیا جو تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کی مشترکہ اساس انگریزوں کی مخالفت و مقاطعت تھی۔ چناں چہ اس متحدہ و مشترکہ مقصد کی وجہ سے یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں اور ایک دوسری صورت پیدا ہو گئی یعنی انگریزوں کے خلاف "ہندو مسلم اتحاد"۔ اس اتحاد نے مسئلے کو شرعی حیثیت سے زیادہ نازک بنا دیا کیوں کہ ایک طرف افراط کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں سے مجرد معاملت بھی ترک کر دی گئی تھی اور دوسری طرف کفار و مشرکین سے معاملت تو معاملت، موالات اور دوستی قائم کر لی گئی تھی، چناں چہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے اس اتحاد کے خلاف متدین علماء نے فتوے دیے اور بر وقت انتباہ فرمایا جن کو بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات نے انگریز دوستی پر محمول کیا مگر جو سیاست ہند اور علوم شرعیہ پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے نزدیک یہ مخالفت دین اسلام اور خود مسلمانوں کی حفاظت و عظمت کے لیے ناگزیر تھی۔ ترک موالات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمان محکوموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی مگر ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا بحث اس سے تھی۔ اور اسی بنا پر اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ جن متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سر فہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نظر آتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک کسی سیاسی جماعت کی حمایت جزو ایمان نہیں بلکہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے

اسی لیے تردیدؔ مخالفت میں اپنے اور بیگانے کسی کی رعایت نہیں کی گئی ۔

اس دور سے بہت پہلے اکبر بادشاہ کے زمانے میں بھی ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی گئی تھی جو اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ موالات پر گفتگو سے پہلے بطورِ پس منظر اکبری دور کے کفر والحاد، حضرت مجدد الف ثانی (م۔ ۱۰۳۴ھ) کی اصلاحی تحریک اور انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے اور بعد تحریک آزادی اور ہندو مسلم اتحاد اور اس کے نتائج کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) میں سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہندو مسلم ادغام کی کوشش کی گئی، دینِ الٰہی اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ گویا سرزمین ہند میں ہندو مسلم اتحاد کا پہلا مسلمان داعی اکبر بادشاہ تھا، اس سے پہلے کبیر اور گرو نانک وغیرہ نے اسی قسم کی کوششیں کی تھیں جو پوری طرح بارآور نہ ہو سکیں۔ بہرکیف اکبر کے اس اندازِ فکر نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا وہ تاریخ اسلام کا ایک زبردست المیہ ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں[1]۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اکبر بادشاہ کے اس ایک قومی نظریہ کی

---

[1] تفصیلات کے لیے ان مآخذ کا مطالعہ کیا جائے:

(ا) عبدالقادر بدایونی : منتخب التواریخ ، مطبوعہ کلکتہ ۔ ۱۸۶۹ء

(ب) شیخ احمد سرہندی : اثبات النبوۃ ،

(ج) شیخ احمد سرہندی : مکتوبات شریف ، مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۳ء

(د) محسن فانی : دبستانِ مذاہب ،

(ھ) محمد اسلم : دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۹ء

سختی سے مخالفت فرمائی اور اپنے مکتوبات شریف کے ذریعہ اس تحریک کی ہلاکت خیزی سے اعیانِ مملکت کو آگاہ فرمایا اور اصلاحِ حال کے لیے ان کی ترغیب و تشویق کی۔ چناں چہ آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے دورِ اکبری کا ایک عظیم فتنہ خاک میں ملا دیا گیا، اسی لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں سے

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ٹھیک اسی طرح ہندوستان کی سرزمین میں انیسویں صدی عیسوی میں جب اکبری ذہنیت رکھنے والے حضرات نے ایک قومی نظریہ کی اشاعت کی تو اس کو خاک میں ملانے کے لیے ایک اور مجدد پیدا ہوا جس نے اپنے براہینِ قاطعہ اور حججِ ساطعہ سے اس نظریہ کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ فاضل بریلوی بروقت انتباہ نہ فرماتے تو سیاستِ ہند کا کچھ اور ہی رُخ ہوتا۔

ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے (جو پہلے ایک قومی نظریہ کے مؤید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا اس لیے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں ماخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و خیالات کا علامہ اقبال پر جو اثر مرتب ہوا اس کا ایک مقالے میں ہم تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں،[۱] فاضل بریلوی کی تحاریر نے علامہ کے فکری انقلاب میں جو

---

[۱] یہ مقالہ اقبال اکادمی (کراچی) کے مجلہ اقبال ریویو میں تین مختلف قسطوں میں ان عنوانات سے شائع ہو چکا ہے:

(۱) "علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی"، شمارہ اپریل ۱۹۶۴ء

(ب) "اقبال کے فلسفۂ خودی میں مقامِ عبدیت"، شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

(ج) "شریعت و طریقت: علامہ اقبال کی روشنی میں"، شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء

اہم کردار ادا کیا اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض حضرات، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی اصلاحی کوششوں کو صراحۃً و کنایۃً، فاضل بریلوی کی اصلاحی کوششوں سے کم تر دکھانے کی سعی فرماتے ہیں، یہ رجحان غیر مورخانہ ہے۔ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کی تاریخ پاک و ہند پر جس شخص کی گہری نظر ہے وہ اس قسم کی کوشش نہیں کر سکتا، عہد شاہجہانی کے مورخ محسن فانی نے اپنی کتاب دبستان مذاہب میں بیسیوں فرقوں کا ذکر کیا ہے جن کا مقابلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے تن تنہا کیا اور پھر ؎

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بڑے اختصار و جامعیت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپ کی اولاد احفاد کی ناقابل فراموش مسائی اور اس کے حیرت انگیز نتائج کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

In Jahangir's reign Sheikh Ahmad of Sarhind, commonly known as Mujadid-Alf-i-Thani, came to the forefront. By constant efforts of he brought about a revival The political efforts of this change can be seen in the differing atmosphere of the court of Akbar, Jahangir, Shah Jahan and Aurangzib Alamgir. Akbar was the culmination of the success of heterodoxy ; Jahangir's accession marked its decline ; Shah Jahan, Pious and orthodox did not tolerate laxity in the court but, at the same time, kept the non-orthodox contented ; Alamgir was the symbol of the victory of Orthodoxy.

---

[1] مختصر ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۵۷ء ص ۲۰

ترجمہ

جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریکِ احیاءِ دین کا آغاز ہوا۔ چناں چہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجہ میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضاؤں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔ اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے، شاہ جہاں اگرچہ ایک پارسا سُنّی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشانِ نصرت، تھا۔

بلاشبہ عہدِ اکبری سے لے کر عہدِ عالمگیری تک حکومت میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ حضرت مجدد الف ثانی، آپ کے صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید (م سنہ ۱۰۷۰ھ) اور خواجہ محمد معصوم (م۔ سنہ ۱۰۷۹ھ) اور ان کے صاحبزادگان خواجہ سیف الدین (م۔ سنہ ۱۰۹۶ھ) خواجہ محمد نقشبند ثانی (م۔ سنہ ۱۱۱۵ھ) اور ان کے سینکڑوں خلفاء اور لاکھوں مریدین و معتقدین کی مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ تھیں۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی دورِ اکبری میں ہندو مسلم ادغام کی کوشش کو ناکام نہ بناتے تو شاید پاک و ہند کے حالات کچھ مختلف ہوتے اور ممکن ہے کہ یہاں کفر و باطل کا ایسا تسلط ہوتا کہ ہم ہندو مسلم اتحاد یا عدمِ اتحاد جیسے مسائل پر سوچ بھی نہ سکتے۔

الغرض حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک نے عہدِ عالمگیری تک اپنا پورا پورا اثر دکھایا اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم (م۔ سنہ ۱۱۳۱ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ (م۔ سنہ ۱۱۷۶ھ) کی علمی اور فکری تحریک نے (جو حضرت مجدد کی تحریک سے پوری طرح مستفاد تھی) اپنا اثر دکھایا، مگر انقلاب

۱۸۵۷ء سے چند سال قبل ایک ایسا سانحہ پیش آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل پر منفی اثرات مرتب کیے۔ میری مراد مولوی سید احمد بریلوی کی تحریک سے ہے[۱] جسے اُن کے معتقدین تحریک جہاد کا نام دیتے ہیں۔

بعض مورخین سلطنت اسلامیہ کے قیام اور تحریک آزادیٔ ہند کے شجرے میں مولوی سید احمد کی اس تحریک کو بھی شامل کرتے ہیں مگر اس عقدے کو حل نہیں کر پاتے کہ تاریخ ہند کے اس نازک دور میں جب کہ سیاسی تقاضے کچھ اور تھے۔ سکھوں کے خلاف "جہاد" کیوں کیا اور اس کوشش میں مسلمانوں سے بھی دو بدو ہوئے۔ چنانچہ تاریخ تحریک آزادی (انگریزی) میں ڈاکٹر محمود حسن صاحب نے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر وہ کوشش ناتمام ہی رہی، بات یہ ہے: ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

ہمارے خیال میں اس تحریک کے نتیجے میں پاک و ہند میں انگریزوں کے قدم اور جم گئے۔ ۱۸۳۱ء میں معرکۂ بالاکوٹ پیش آیا، گویا انقلاب ۱۸۵۷ء سے ۲۵ سال قبل۔ اس وقت تک انگریز ہندوستان پر چھا چکے تھے، ضرورت تھی کہ انگریزوں کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی جاتی۔ ایسے نازک دور میں اپنی قوت اس قسم کے 'جہاد' پر لگا دینا دانشمندی کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انگریزوں کو یہ یقین بھی دلا دینا کہ ہم تم سے متعارض نہیں[۲] اور ایسی طاقت سے ٹکر لینا جس کی فکر خود انگریز کو تھی۔ —— تاریخ شاہد ہے جب اہل وطن آپس میں دست بگریباں ہوئے ہیں زمین اغیار کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ انگریز بہت ہشیار تھا، اس نے تیغ سیاست سے کام لیا جو کسی کو نظر نہ آئی اس لیے ان کے اقتدار کو خدا کی رحمت سمجھا گیا، باہر کا زخم نظر آیا، اندر کا

---

[۱] تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں سید احمد شہید کی صحیح تصویر از وحید احمد مسعود۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء

[۲] "جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی فروقعوں کے ...... مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی"

(حسین احمد مدنی، 'نقش حیات' دہلی ۱۹۵۴ء، ج ۲، ص ۱۲ و ۱۳)

ناسور نظر نہ آیا۔ معرکۂ بالاکوٹ میں عبرت ناک شکست نے فطری طور پر حریت پسندوں کی ہمتیں پست کر دیں۔

بہرکیف اس معرکے میں ناکامی سے مسلمانوں کے خلاف ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی اندرون خانہ متحد ہو گئے اور پھر آگے چل کر سب نے مل کر جو جو بدلے لیے ہیں انقلاب ۱۸۵۷ء پھر انقلاب ۱۹۴۷ء اس پر گواہ ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر کیا کچھ نہ ہوا ہر جگہ یہ تینوں متحد نظر آئیں گے اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں نہ صرف یہ تینوں بلکہ گروہ منافقین پیش پیش تھا

فاعتبروا یا اولی الابصار!

سانحۂ بالاکوٹ کے بعد جماعت کا شیرازہ منتشر ہو گیا، مولانا کرامت علی جونپوری جو سید احمد بریلوی کے خلفاء میں تھے کھل کر انگریزوں کی حمایت کرنے لگے بلکہ ان کے خلاف تحریک جہاد کی مخالفت کی اور فتویٰ بھی دیا[۱] ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں ایک بورڈ کی تشکیل کی گئی تاکہ جماعت کو از سر نو منظم کیا جائے[۲] مولانا مملوک علی نانوتوی نے دہلی میں تعلیم مکمل کی، دہلی کالج میں مدرس ہو گئے۔ بعد میں انگریز حاکموں نے خوش ہو کر صدر مدرس بنا دیا' موصوف ہی کے زیر اثر مولوی ذوالفقار علی (والد ماجد مولانا محمود حسن) اور مولوی فضل الرحمٰن (والد ماجد مولوی شبیر احمد عثمانی) وغیرہ نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی اور پھر انگریزی ملازمت اختیار کی[۳] انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت یہ دونوں صاحبان ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے، مولانا مملوک علی کے تلامذہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا احمد علی سہارنپوری وغیرہ شامل تھے۔ مولانا مملوک علی کی وفات کے بعد قیادت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ میں چلی گئی،[۴] اسی

---

[۱] محمد ایوب قادری: اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند۔ طبع ۱۹۶۱ء ص ۔ ۲۹۶

[۲] عبید اللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۰۔۱۱

[۳] مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی، جلد اول، ص ۲۲۔

[۴] عبید اللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۱

قیادت کے دوران انقلاب ۱۸۵۷ء برپا ہوا۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھی انقلاب کے دوران سلطان دہلی کی طرف داری اور غیر جانب داری کے مسئلے پر یہ جماعت دو حصوں میں بٹ گئی، ایک مرکز دہلی کے بجائے علی گڑھ اور دیوبند دو مراکز قرار پائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند نے من حیث الجماعت انقلاب ۱۸۵۷ء کے دوران انگریزوں کا ساتھ دیا بلکہ وہ مسلمان حریت پسندوں سے نبرد آزما بھی ہوئے۔ اسی قسم کے ایک مقابلے کا ذکر تذکرۃ الرشید (جلد اول - ص ۷۵) میں کیا گیا ہے جس میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حافظ ضامن وغیرہ شامل تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خود سپردگی کا یہ عالم تھا کہ جب ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے فرمایا:

> میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔[۱]

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ فاضل بریلوی نے ترک موالات کی مخالفت اس لیے نہیں فرمائی کہ وہ انگریزوں کے حامی و ناصر تھے یا ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ انھوں نے مخالفت سے شرعی تقاضوں کو پورا فرمایا، جس مرد کامل نے کسی مسلمان نواب یا امیر کی مدح سرائی نہ کی ہو اور جب نواب ریاست نان پارہ کے لیے قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تو یہ کہہ کر بات ٹال دی ہو ؎

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

بھلا وہ انگریز دشمن اسلام کا پاس و لحاظ کیا رکھتا۔

---

[۱] تذکرۃ الرشید، جلد اول ص ۸۰

سبب انگریزوں نے مسلمانوں کے خون سے بے دریغ ہاتھ رنگنا شروع کیے تو سرسید احمد خاں نے اسبابِ بغاوتِ ہند رسالہ لکھ کر انگریزی آتشِ انتقام کو فرو کیا اور قدرے اطمینان نصیب ہوا۔[۱] غالباً اس دور کا یہ سیاسی تقاضا تھا کہ عالم و عامی سب ہی نے من حیث القوم وفاداری کا یقین دلایا بلکہ شیعہ حضرات نے تو بقول ہنٹر فارسی میں ایک رسالہ لکھ کر جہاد کی شدید مخالفت کی،[۲] علمائے احناف نے بھی انگریزوں کی حمایت میں بہت سے فتوے شائع کیے۔ دو قسم کے علماء تھے۔ ایک وہ جو ہندوستان کو دارالحرب کہتے تھے اور مسلمانوں کو مستامن اس لیے جہاد کے مخالف تھے، دوسرے وہ جو ہندوستان کو دارالسلام کہتے تھے اس لیے جہاد کے عدم جواز کے فتوے دیتے تھے[۳] بہرکیف ماسوائے چند علماء کے مصلحتِ وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔

اس سیاسی ماحول میں دیوبند اور علی گڑھ میں مدارس قایم ہوئے، بقول مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے اور سرسید احمد خاں انگریزی حصے کو علی گڑھ لے گئے[۴] سرسید احمد خاں بھی علمائے دیوبند کی طرح مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ علی گڑھ کے مکتبِ فکر نے انگریزوں سے وفاداری کو اپنی سیاسی مصلحت کا جزو بنالیا مگر مسلکِ دیوبند کچھ اس سے مختلف تھا، یہاں انگریزوں کی حمایت و مخالفت کو مصلحتِ وقت پر چھوڑ دیا گیا، اضطراری حالات میں کامل وفاداری، معتدل حالات میں غیر جانبداری، برطانیہ اور دولتِ عثمانیہ کے مابین تصادم کی صورت میں پوری مخالفت (بقول مولانا

---

۱ الطاف حسین حالی : حیاتِ جاوید ، ص ۱۰۰-۱۰۱ ، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۵ء

۲ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر : ہمارے ہندوستانی مسلمان ، ص ۱۷۳-۱۸۰

۳ ایضاً ص ۱۸۱

۴ عبیداللہ سندھی : شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ، ص ۱۳۴

عبیداللہ سندھی) حقیقت حال شقِ آخر کے خلاف بھی نظر آتی ہے۔

بہر کیف مسلمانانِ پاک و ہند کے مسلسل روحانی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی انحطاط اور ناعاقبت اندیشیوں نے یہ دن دکھایا کہ اغیار اس ملک پر قابض ہو گئے، جو کمزوریاں پہلی شکست کا باعث ہوئیں، وہ تو ہوئیں ہی، مزید کمزوریاں دوسرے انقلاب اور دوسری شکست کے لیے راہ ہموار کر رہی تھیں، انگریز حاکم مسلمانوں کا دیرینہ دشمن تھا، کفار و مشرکین کو تو مسلمانوں سے فطری عناد ہے ہی، محکوم رہے، پھر محکومیت میں شریک ہوئے مگر نہ معلوم کب سے حاکمیت کے خواب دیکھ رہے تھے، تحریر و تقریر سے ان کے چھپے ارادے ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

اس نازک دور میں چند سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں مگر ان کا کام صرف یہ تھا کہ خونخوار حاکموں کی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا جائے۔ حریت پسندوں کا ایک عظیم گروہ تختۂ دار پر لٹکایا جا چکا تھا، ہر شخص سہما سہما سا نظر آتا تھا، ایسے نازک دور میں مطلق آزادی کے لیے کوشش کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اسی لیے سر آلفرڈ لائل نے ان جماعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

> مگر وہ سب تاج برطانیہ کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری رکھنے میں متحد القلوب ہیں[1]

۱۹۱۲ء میں جنگِ بلقان کے المناک حادثے نے، ۱۹۱۳ء میں واقعہ کانپور نے، حامیانِ ملتِ مسلمہ کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا اور آزاد حکومت کے قیام کی جدوجہد ہونے لگی تھی، ۱۹۱۳ء میں ہی نظارۃ المعارف کا قیام عمل میں آیا جس کے سرپرست مولانا محمود حسن اسیر مالٹا تھے، آزاد حکومت کے قیام کے لیے افغانستان اور ترکی وغیرہ سے مدد لینے کی

---

[1] سر آلفرڈ لائل؛ ہندی مملکت کا نشوونما، مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ ۱۹۳۲ء، ص ۳۶۹

کوشش کی گئی، چناں چہ اس مہم پر جمعیۃ الانصار دیوبند کے ناظم مولنا عبید اللہ سندھی[1] کو افغانستان بھیجا گیا، یہ ۱۹۱۵ء میں کابل ہجرت کر گئے وہاں سات سال رہے، ۱۹۱۶ء میں مولنا محمود حسن نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا۔ اسی مقصد کے لیے مولنا محمود حسن حجاز گئے، یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، ترکوں پر علمائے حجاز اور علمائے ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے۔ مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی مگر اسی اثنا میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی، شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولنا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے۔ جب باہر آئے تو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کیے گئے، ۱۹۱۶ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔ انگریز افسروں نے 'باغیانہ' سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات کیے اور ایک دستاویز دکھائی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مولنا محمود حسن سلطان ترکی، ایران و افغانستان کو متحد کرکے ہندوستان پر اجتماعی حملہ کرکے آزاد حکومت کے قیام کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ بہرکیف ۱۵۔ نومبر ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج دیئے گئے جہاں انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اسارت مالٹا کے بعد آپ ہندو مسلم اتحاد کے داعی بن گئے۔

جس طرح انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل مولوی سید احمد بریلوی ناکام ہوئے، اسی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کی جانے والی یہ کوشش بھی بالآخر ناکامی و نامرادی کا شکار ہوئی۔

---

[1] مولنا عبید اللہ سندھی نے ۱۹۱۶ء میں امیر حبیب اللہ کے کہنے پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ پھر انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو گئے اور اسی وقت سے کانگریس کے داعی بن گئے بلکہ ۱۹۲۲ء میں امان اللہ کے عہد حکومت میں کابل میں کانگریس کمیٹی بنائی جو بیرون ہند اپنی نوعیت کی پہلی کمیٹی تھی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب مسلمانوں کی طرف سے تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا تو حالات نے نیا رُخ اختیار کیا۔ اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصار، مولانا ظفر علی، مولانا حسرت موہانی وغیرہ مشاہیرِ ملت شامل تھے۔ اسی زمانے میں انڈین نیشنل کانگرس نے مسٹر گاندھی کے ایما پر ترکِ موالات کی تحریک شروع کی۔ کانگرس کا قیام اگرچہ ۱۸۸۵ء میں عمل میں آگیا تھا مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ حاکم و محکوم کے تعلقات کو استوار کرے اور بس۔ بعد میں کامل آزادی کا مطالبہ کیا گیا، الغرض ۱۹۲۰ء میں کانگرس کے قوم پرست ہندو مسلمان اور تحریکِ خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترکِ موالات پر تلا ہوا نظر آتا تھا، مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی، جوشِ جنوں میں انگریزوں سے ترکِ موالات بلکہ ترکِ معاملت کر کے کفار و مشرکین سے دوستی و محبت کے لیے ہاتھ بڑھایا گیا

ہندوستان کے عام مسلمان بلکہ وہ خواص بھی جن کو اللہ تعالیٰ نے دانش و بینش سے نوازا تھا ان آئینی تحفظات کے پھیر میں آگئے جو کانگرس کی طرف سے پیش کی گئی تھیں حالانکہ اکثریت کی طرف سے اقلیت کو آئینی تحفظات دے دینے سے اقلیت کی کما حقہٗ حفاظت ناممکن ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس اقلیت میں خود زندہ رہنے کی صلاحیت ہو۔ حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس اقلیت کا ہم مذہب کوئی ملک اگر طاقت ور ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکے۔ اس حقیقت کو تو ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں، اگر پاکستان قوی ہوتا ہے تو اس کی قوت کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر از خود ہوتا ہے اور اگر کمزور ہوتا ہے تو خونِ مسلم کی وہ ارزانی ہوتی کہ الامان الحفیظ! بہرکیف عرض یہ کرنا ہے کہ آئینی تحفظات سے کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس اس حالت میں جب کہ مسلمان اقلیت میں تھے اور ان میں وہ قوت بھی مفقود ہو چکی تھی جس نے طوفانوں کا مقابلہ کیا تھا، کفار و مشرکین کے ساتھ وداد و اتحاد کا نتیجہ یہی ہوتا کہ ایک دشمن انگریز سے

حکومت لے کر دوسرے دشمن کے سپرد کر دی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بعض ایسے بلند افراد موجود تھے جن میں جہاں بانی کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی لیکن آخر تا بکے، مشرکین سے اتحاد و نفاق کی صورت میں مسلمانوں کا مستقبل تابناک نظر نہ آتا تھا۔

ہر منظم جماعت کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے جو شامل ہوتا ہے۔ اگر وہ اقلیت میں ہے و فکری قوت کا مالک بھی نہیں ہے تو وہ طوعاً و کرہاً اس کے مزاج سے مطابقت پیدا لیتا ہے۔ جماعت پر وہی افراد اثر ڈال سکتے ہیں جو یا تو فکری قوت کے مالک ہوں یا پھر اکثریت میں ہوں مگر مشرکین ہند کے ساتھ اتحاد کے وقت نہ مسلمانوں میں اتنی عظیم فکری قوت تھی اور نہ وہ اکثریت میں تھے۔ ایسی حالت میں ''اتحاد'' ''ادغام'' کی صورت اختیار کر لیتا اور ہندوؤں کی اکثریت زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں پر اثر انداز ہو کر یا تو ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی اور یا ان کو نیست و نابود کر دیتی۔ بعض لوگ جسمانی فنائیت کو ناممکن تصور کر کے اس خیال کی مخالفت فرماتے تھے مگر اصل روحانی اور مذہبی فنائیت ہے۔ آجکل اسی کو فنا کر کے قومیں فتح و نصرت حاصل کر رہی ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی دو حیثیات تھیں۔ ایک حیثیت کا تعین ملک سے وابستگی سے ہوتا تھا اور دوسری حیثیت کا تعین دین سے وابستگی سے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دوسری حیثیت پہلی حیثیت پر مقدم تھی یعنی ''مسلمانیت'' کو ''ہندوستانیت'' پر فوقیت حاصل تھی، اس طرح اسلام اور کانگرس کے نقاط نظر میں زمین و آسمان کا فرق تھا کیونکہ کانگرس کے نزدیک مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔ اختلاف کا نقطۂ آغاز یہی اساسی فرق ہے۔

اسی لیے تعین اوّل کو تعین ثانی پر مقدم رکھنے والے ایک کانگریسی عالم پر تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ !!! — زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست[۱]

وطنی قومیت کی اگر اسلام میں گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مختلف قبیلوں کو جو آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ عربیت یا قریشیت وغیرہ کے نام پر متحد فرماتے مگر ایسا نہیں کیا۔ قوم پرستی و وطن پرستی کے برخلاف آپ نے حق پسندی اور حق پرستی کو اپنا شعار بنایا اور اسی بنیاد پر کائنات کے تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سعی فرمائی اور وہ وہ مصیبتیں جھیلیں جن کے بیان کے لیے پتھر کا دل چاہیے اور اس وطن کو خیرباد فرمایا جس پر دورِ جدید کی سیاست کا انحصار ہے اور عملاً یہ بتادیا کہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے، وطن کی حفاظت نہیں۔ وطن کی حفاظت ہے تو صرف اس لیے کہ وہ دین کا محافظ ہو۔ علامہ اقبال نے اسی لیے فرمایا ہے:

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اور قرآن کریم پکار پکار کر کہتا ہے:

لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا۔[۲]

---

[۱] کلیات اقبال مطبوعہ دہلی، ص-۲۵۲

[۲] قرآن حکیم، الاحزاب ۲۱

تم لوگوں میں اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے، رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ میں عمدہ نمونہ ہے۔

فاضل بریلوی نے ترکِ موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کو، جو وطنیت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا، سخت مخالفت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترکِ موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا مگر فاضل بریلوی نے اظہارِ حق میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کی اور فقیہانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے اور بالآخر جو کچھ فرمایا تھا سچ ثابت ہوا۔ جب طوفانِ جنوں ختم ہوا اور آنکھیں کھلیں تو وہی سچا نظر آیا جس کو کل تک جھوٹا کہا گیا تھا۔ قائدِ اعظم اور علامہ اقبال جیسے مفکرین و رہنما ابتداء میں ایک قومی نظریہ کے حامی تھے مگر بعد میں اچانک اپنا رُخ موڑتے ہیں اور ایک قومی نظریہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر دو قومی نظریہ کی پوری پوری حمایت فرماتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہندو مسلم عدمِ اتحاد و عدمِ موالات پر تھی۔ یہ وہی نظریہ ہے جس کی حفاظت کیلئے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت فاضل بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

کانگریس کا منشا یہ تھا کہ ملی امتیازات کو خیرباد کہہ کر 'ہندوستانیت' میں گم ہو جاؤ۔ اس طرح مذہب کی بنیاد خود بخود ڈھے جاتی۔ اسی زمانے میں جب فاضل بریلوی ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرما کر ملتِ اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت فرما رہے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک قومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے تصورِ وطنیت پر سخت تنقید فرمائی اور وہ شاعر جس نے کبھی نیا شوالہ اور ترانۂ ہندی جیسی نظمیں لکھی تھیں اب یہ کہتا ہوا نظر آ رہا ہے:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور !!!
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دینِ نبوی ہے !!
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے !!
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
ہو بحر میں آزاد وطن صورت ماہی!
ہے ترکِ وطن سنّت محبوب الٰہی !
دے تُو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے

کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے[1]

دنیا میں نہ معلوم کب سے اتحاد و اتفاق کی کوششیں ہو رہی ہیں، کسی نے نسلی بنیاد پر منتشر انسانوں کو جمع کرنا چاہا تو کسی نے لسانی بنیاد پر، کسی نے رنگ کی بنیاد پر جمع کرنا چاہا تو کسی نے تہذیب و تمدن کی بنیاد پر اور کسی نے وطن کی بنیاد پر اتحاد کا نعرہ بلند کیا —— فکر انسانی اتحاد و اتفاق کے متعلق مسلسل سوچتی رہی، مگر ہر کس بقدر ہمت اوست، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت کے اتحاد و اتفاق کے داعی تھے پھر وہ لسانی یا وطنی بنیادوں پر صرف دنیائے عرب کے اتحاد پر کیسے مطمئن رہ سکتے تھے! وہ بے چین ہوئے اور ایسے بے چین ہوئے کہ ان کے پروردگار نے ان کی پوری پوری تسلی و تشفی فرمائی۔

اتحاد کی ہر منزل پر ایثار و قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ منزل جتنی کٹھن ہوگی اتنی ہی عظیم قربانیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے اسلام جس عالمگیر اتحاد و اتفاق کا داعی ہے اس کو عظیم قربانیوں کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے —— خاندان کی قربانی، قبیلے کی قربانی، رنگ و نسل کی قربانی، تہذیب و تمدن کی قربانی، مال و متاع کی قربانی، جذبات و واردات کی قربانی، حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی —— قربانی کے اس تصور کو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مردِ مومن وہ ہے جس کی نگاہِ محبت میں سوائے اس کے پروردگار اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہ سما سکے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

---

[1] کلیاتِ اقبال، مطبوعہ دہلی، ص ۹۶، ۹۷

جب کبھی مسلمانوں نے دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھاما ہے اور آگے بڑھے ہیں، نامراد نہیں لوٹے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اس کی شاہد عادل ہے اور اس کے مقابلے میں ۱۹۶۷ء کی عرب و اسرائیل کی جنگ بھی ہمارے سامنے ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے اہلِ عرب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ دورِ جدید کے بعض آزاد خیالوں کی طرف سے دینی حکومت کے قیام کو تنگ نظری پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک دورِ جدید میں اگر اقلیتوں کی حفاظت ہو سکتی ہے تو وہ اسلامی حکومت کے قیام ہی سے ممکن ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اقلیتوں کی کس طرح حفاظت کی ہے۔ دُور کیوں جائیں اپنے ہی ملک کو دیکھیں۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک یہاں اقلیتوں کی کس طرح حفاظت کی گئی اور ہندوستان جس کی بنیاد لادینیت و وطنیت پر ہے وہاں کیا کچھ نہ ہوا اور نہیں ہو رہا اور نہیں ہوتا رہے گا۔ انگلستان اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ غور کریں گے تو سوائے اسلامی ملکوں کے ہر جگہ اقلیتوں کو خطرے میں پائیں گے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا ہندو مسلم اتحاد کا، وطن پرستی و قوم پرستی کا، حق پرستی، حق پسندی کا، بندگانِ خدا کی یا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا ——— آئیے اب فاضل بریلوی کی استقامت و عزیمت کو ملاحظہ کیجئے۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ فاضل بریلوی، ترکِ موالات کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ ان کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ رہی تھیں کہ دوسری آنکھوں نے وہ

دیکھا تھا۔ ان کا ذہن صاحب وہ کچھ سوچ رہا تھا کہ اس طرف دوسروں نے رُخ بھی نہ کیا تھا ــــــ ہندو مسلم اتحاد کے مؤید اور ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا،

> مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں[1]

اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہوگئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا،

> مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں[2]

مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ہندو مسلم موالات کے سخت مخالف تھے بلکہ انھوں نے تو ان کے ساتھ معاملت کو مشروط طور پر مباح لکھا ہے۔ چناں چہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں،

> اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع و شراء و تجارت میں کرلیں اس طرح کہ اس میں کوئی نقصان دین میں یا خلافِ شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے، جائز ہے اور مباح ہے۔ اگر ہنود کی شرکت ہے اور معاملے سے کوئی خلافِ شرع امر لازم آتا ہے یا مسلمانوں کی ذلت و اہانت اور ہنود کی ترقی ہوتی ہے وہ کام بھی حرام ہے۔[3]

---

[1] پاشا بیگم: اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات۔ مطبوعہ ماہنامہ عرفات (لاہور) شمارہ اپریل ۱۹۷۰ء۔ ص ۲۵

[3] نصرۃ الابرار، ص ۱۹ ۲۶ر محرم ۱۳۰۶ھ

یہ احتیاط اس احساس کی بنا پر تھی کہ مسلمان قلت میں تھے۔ اس کے علاوہ بدحالی و عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ اس کا اس طرح اظہار کیا ہے:

بہرحال کفار کا تسلط ہندوستان پر اس درجہ ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا کسی دار الحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہ تھا اور جو اسلامی رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ صرف ان کی اجازت سے، کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں، ہنود کو بھی کسی قدر رسوخ حاصل ہے، مسلمانوں کو وہ بھی نہیں [۱]

مولانا رشید احمد کی یہ احتیاط اور دوسری طرف مولانا محمود حسن نے مشروط معاملت تو درکنار موالات کو جائز قرار دیا چناں چہ عالم ہونے کے باوجود یہ فرماتے ہیں:

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لیے مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں (ہنود و مسلمان) کے اتفاق و اتحاد کو بہت مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں۔
اس کے لیے میرے دل میں بہت قدر ہے۔ [۲]

یہی نہیں بلکہ اس قوم کو بھی دعوت موالات دے رہے ہیں، جس کے خلاف مولوی سید احمد بریلوی نبرد آزما ہوئے تھے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں (ہندو مسلمان)، بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں عنصر اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی

۱؎ سید محمد میاں، علمائے حق، حصہ اول۔ مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۹۴

۲؎ ایضاً، ص ۲۱۶-۲۱۷، خطبہ صدارت ۱۹۲۰ء

جو نقشی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو ان اقوام کی اجتماعی قوت کو شکست دے سکے گی۔[1]

حیرت ہے کہ ایک ممتاز عالم ہندوؤں اور سکھوں کو دعوت موالات دے رہا ہے اور وہ بھی جو غالب اکثریت میں تھے، جن کے پاس سیاسی و اقتصادی دونوں قوتیں تھیں، کیا اس آواز پر لبیک کہنے والے ہندوؤں و سکھوں سے یہ توقع رکھی جا سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کریں گے، عقل سلیم اس کا واضح جواب دے سکتی ہے۔

بہر کیف اس پُرفتن دور میں جب کہ انگریز دشمنی نے علماء کو حدِ اعتدال سے متجاوز کر دیا تھا، فاضل بریلوی نے صراطِ مستقیم دکھایا، وہ سیاسی جذباتی تحریکوں سے الگ تھلگ رہے۔ کاروان چلتا رہا وہ روشنی دکھاتے رہے۔ جن کی قسمت میں ہدایت تھی انھوں نے ہدایت پائی ——— مگر پھر بھی سائل سوال کر سکتا ہے کہ کاروان سے الگ کیوں رہے؟

ہر سیاسی تحریک کا ایک مقصد ہوتا ہے اور پھر اس مقصد و منشا کے حصول کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ مقصد بالعموم ظاہر ہوتا ہے مگر ذرائع ظاہر بھی ہوتے ہیں اور مخفی بھی۔ مقصد کے تعین میں تقوے کا خیال رکھا جا سکتا ہے مگر ذرائع میں اس کا خیال رکھنا دورِ جدید کی سیاست میں تقریباً ناممکن ہے۔ خصوصاً تحریک کے خزانے میں جو بے احتیاطیاں ہوتی ہیں وہ اہلِ تقویٰ کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں اس کے علاوہ نظرِ تقویٰ سے تحریک کی کارگزاریوں کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی خامیاں نظر آ سکتی ہیں۔

دورِ جدید کی سیاست صرف مقاصد سے بحث کرتی ہے اور اس کے تعین میں بھی وہ خلوص و للّٰہیت نہیں ہوتی جو مقتضائے شریعت ہے اور ذرائع کے نیک و بد سے اس کا

---

[1] ایضاً ص ۱۰۷

کوئی تعلق نہیں مگر اسلامی سیاست مقاصد کے ساتھ ذرائع کے نیک و بد سے بھی بحث کرتی ہے مقصد کتنا ہی عالی کیوں نہ ہو۔ اگر ذرائع نامحمود و مذموم اور ناپسندیدہ وغیر شرعی ہیں تو اس مقصد کو حاصل کرنے سے اس کا ترک کر دینا بہتر ہے اور بعض حالات میں واجب بلکہ فرض ہو جاتا ہے۔

سیاسی جماعتوں سے متدین و متقی علماء کی علیحدگی کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ جماعت میں شرکت کے بعد قائد کی پیروی فرض ہو جاتی ہے خواہ اس کا حکم احکام شرع کے مطابق ہو یا خلاف۔ حکم عدولی، خواہ وہ شریعت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، باغیانہ حرکت سمجھی جاتی ہے اور اس کو برادری سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ یہاں ضمناً ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کہ شریعت کی نظر میں حزبِ موافق و حزبِ مخالف کی کوئی تقسیم نہیں، جو شخص حزبِ موافق میں ہے، وہی حزبِ مخالف کا فرض ادا کرتا ہے کہ حمایتِ جماعت کی مقصود نہیں بلکہ اصول کی حمایت مقصود ہے۔ بہر کیف ایک متدین عالم کے نزدیک کسی قائد کی پیروی اسی حد تک جائز ہے جہاں تک اس کے احکام، احکام شرعیہ اور تقاضائے شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ اگر متصادم ہوئے تو اس کی پیروی اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا۔ چوں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق اور اپنے آقا و مولی کا سچا غلام ہے اس لیے ایسے موقعوں پر اعلاء کلمۃ الحق فرض سمجھتا ہے جس کو بعض تنگ نظر ملک دشمنی یا قوم کی دشمنی پر محمول کرتے ہیں۔

بہر کیف فاضل بریلوی تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات سے انھیں اسباب کی بنا پر علیحدہ رہے اور ۱۹۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ملت اسلامیہ کے صائب الرائے حضرات بھی اس اتحاد کے حامی اور اس کے لیے سرگرمی سے کوشاں تھے، آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد گو ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں پڑ چکی تھی مگر ۱۹۲۰ء تک اس نے مسلمانوں کے لیے خصوصیت سے کوئی مثبت کردار ادا نہ کیا۔ قائد اعظم ابتداء میں

ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے مگر سنہ مذکور میں جب وہ صدر منتخب ہوئے تو ان کے انداز فکر میں ایک انقلاب محسوس کیا گیا اور وہ ایک قومی نظریہ کے مخالف ہو گئے۔ پھر ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرار داد پاکستان منظور کر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ پیش کر دیا، جس نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور دو قومی نظریہ کا یہ مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا گیا لیکن یہ باتیں بہت بعد کی ہیں جب کہ فاضل بریلوی کو وصال کیے بھی بیس پچیس سال گزر چکے تھے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس پُر آشوب دور میں جب ہر قائد و رہبر ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں تھا، فاضل بریلوی کو حق جل مجدہٗ نے اس بصیرت قلبی سے نوازا تھا جس سے بہت سے رہبر محروم تھے، ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ انھوں نے فرمایا تھا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ؎

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جُدا\
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

اس پُر فتن دور میں جب کہ ملت اسلامیہ کے بظاہر سب حامی تھے مگر حقیقت میں کوئی حامی و ناصر نہ تھا، اس کی بقاء کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس کے ویران دل میں سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قایم کر دی جائے۔ یہ سلطنت خارج سے پہلے داخل میں قایم ہوتی ہے اور پھر جب اپنا اثر دکھاتی ہے تو دنیا دیکھتی رہ جاتی ہے۔ فاضل بریلوی نے ایک طرف تو اہل سیاست کو ان کی فاحش غلطیوں سے آگاہ فرمایا تو دوسری طرف مسلمانان ہند کے دلوں میں سلطنت مصطفیٰ کے قیام کی کوشش فرمائی۔ ان کا نعتیہ دیوان محض نعتوں کا ایک مجموعہ نہیں ہے بلکہ تحریک آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے مسلمانوں کے دل دربار مصطفوی کی طرف پھیر دیے،

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام نیاز نہ معلوم کس جذب و کیف کے عالم میں پیش کیا تھا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی، ہر طرف سے یہی ایک دل کشا آواز آرہی تھی ؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جانِ رحمت ہیں تو وہی، شمعِ ہدایت ہیں تو وہی ــــ رحمت کی کس کے در سے اُمید رکھتے ہو؟ ــــ ہدایت کے لیے کس کا منہ تکتے ہو، آؤ آؤ، ان کے در پر سر نیاز خم کر دو کہ ؏

اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

المختصر اس دور میں حالات نے ایسی نزاکت اختیار کر لی تھی کہ فطرت ملت مسلمہ بزبان بے زبانی کہہ رہی تھی؛

میرے سامنے شخصیتوں کو نہ لاؤ، کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، عالم و فاضل ہو، مفسر قرآن ہو، معلم حدیث ہو، ماہر سیاست ہو، عمل اور قربانی کا نمونہ ہو۔ اس کی حرمت میرے سر آنکھوں پر، مگر جو ہدایت وہ دے رہا ہے اگر وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے تو میرے لیے لائق اتباع نہیں، ہاں اگر وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں کوئی دلیل اپنے پاس

دکھتا ہے تو شخصی عظمت کی آمیزش سے علیحدہ کرکے اس کو اور صرف اسکو سامنے لاؤ، اس لیے کہ وہی لائقِ اتباع ہے۔ اسی میں سچی ہدایت ہے اور اسی کی پیروی میں فلاح و نجات ہے۔ اس کے بتائے ہوئے راستے میں خواہ کتنی ہی دشواریاں ہوں، کتنے ہی خدشات اور کتنے ہی نقصانات ہوں، آخری اور دیرپا اور یقینی کامیابی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتی ہے۔[1]

گزشتہ اوراق میں ہم نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے ایک قومی نظریہ کی بنیاد ڈالی، ممکن ہے کہ اس سے اس کی حکومت مستحکم ہوگئی ہو لیکن اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصانات پہنچے ــــ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۰۳۴ھ) نے اس ایک قومی نظریہ کی شدت سے مخالفت کی اور دو قومی نظریہ پیش کیا، آپ کی اولاد امجاد نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور انہی کی کوششوں سے اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے فکر و نظر کی تعمیر ہوئی، وہ سرزمین ہند میں حافظ دین متین بن کر ابھرا اور دو قومی نظریہ پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی ــ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی "تحریک اصلاحِ حال" کا زمانہ آتا ہے اور پھر مولوی سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد شروع ہوتی ہے اور معرکۂ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) پیش آتا ہے۔ ہم نے اس تحریک کے اسباب و علل اور اس معرکے کے نتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی عام زبوں حالی اور انگریزوں کے ساتھ ان کی وفاداریوں کی بابت بھی ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مولانا عبیداللہ سندھی کے بیان کے مطابق انگریزوں کے خلاف علماء دیوبند کے اس طرزِ عمل کا جائزہ لیا ہے یعنی کبھی کامل وفاداری، کبھی غیر جانبداری اور کبھی مخالفت۔ اس کے بعد نظارۃ المعارف (۱۹۱۳ء) کے قیام اور آزاد حکومت کی کوشش کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا عبیداللہ سندھی کا سفر افغانستان (۱۹۱۵ء)، مولانا محمود حسن کا سفر حجاز (۱۹۱۶ء) اور انگریزوں کے ہاتھوں ان کی گرفتاری (۱۹۱۷ء) کا ذکر کیا ہے پھر

[1] تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۹۰ء

رہائی کے بعد ہندو مسلم اور سکھ اتحاد کے لیے ان کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا محمود حسن کی اسی کوشش کے نتیجے میں ان کے متبعین نے تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ وداد و اتحاد کا حق ادا کر دیا اور پھر بعد میں سیاسی پلیٹ فارم سے مشرکینِ ہند کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعی متاثر ہوئی اور قوتِ متحرکہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک قومی نظریہ یعنی ہندو مسلم سیاسی اتحاد کے لئے پہلی کوشش کو حضرت مجددؒ نے ناکام بنایا۔ عرصۂ دراز کے بعد مسلمانوں کی سیاسی شکست کے بعد پھر یہ کوششیں شروع ہو گئیں۔ آزاد حکومت کے قیام کی جد وجہد کے زمانے میں یہی ہوا، پھر تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کے ساتھ ہی ۱۹۲۰ء میں جب تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی تو ہندو مسلم اتحاد شباب پر پہنچ گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریکِ خلافت کے جوش و خروش کو گاندھی نے لپک لیا اور اس طرح خونِ مسلم سے اپنے کوہ و دمن سیراب کر لیے — فاضل بریلوی اپنی سیاسی بصیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، بسترِ مرگ پر پڑے تھے، وقتِ رحلت قریب تھا مگر جوشِ غیرت نے وہ گرمی و حرارت پیدا کی جو ہمارے لیے درسِ عبرت بھی ہے اور مشعلِ راہ بھی — آیئے اب ہم ترکِ موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کے افکار و خیالات کا جائزہ لیں اور ہر قسم کے تعصب و تنگ دلی سے مبرا ہو کر اس کو پرکھیں — اور یہ دیکھیں کہ دورِ اکبری کے ایک قومی نظریہ کے احیاء کے لیے کی جانے والی اس کوشش کو فاضل بریلوی نے کس طرح ناکام بنایا۔

زمانہ گزر چکا ہے، انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو رد کر دیا ہے یا ان پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے — آیئے ماضی کے ان مشاہدات و تجربات کی روشنی میں فاضل بریلوی کے نظریات کا جائزہ لیں — اس مؤرخ کی طرح نہیں جو تاریخ کو عقیدے کا درجہ دیتا ہے بلکہ اس مؤرخ کی طرح جو صرف حقائق و واقعات سے بحث کرتا ہے، سب کی سنتا ہے، جراغ پا نہیں ہوتا، مؤرخ کی عزت و ناموس کو خاک میں نہیں ملاتا، قدم قدم پر اس کا وقار بلند رکھتا ہے اور اس فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی کا ثبوت دیتا ہے جو ایک مورخ کے شایانِ شان ہے۔

ترکِ موالات

جسٹس قدیر الدین احمد

(سابق چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ اور گورنر سندھ)

"جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ، علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایک نایاب چیز تھی۔"

(خطبۂ صدارت امام احمد رضا کانفرنس، منعقدہ کراچی ۱۹۸۲ء)

جسٹس ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

(جج شریعت کورٹ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، اسلام آباد)

"اُس میں احمد بن حنبل اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا سا زہد و تقویٰ تھا ــــ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی سی ژرف نگاہی تھی ــــ رازی و غزالی کا سا طرزِ استدلال تھا ــــ وہ مجدد الف ثانی اور منصور الحلاج کا اعلائے کلمۃ الحق کا یارا رکھتا تھا ــــ دشمنانِ اسلام کے لئے اشداء علی الکفار کی تفسیر اور عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحماء بینہم کی تصویر تھا ــــ"

(معارفِ رضا، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۲)

ایک عالمِ دین اور اہلِ دل کی شخصیت و کردار اور افکار و خیالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھنا چاہیے کہ اس کا دل و دماغ تجلیاتِ الٰہیہ اور انوارِ محمدیہ سے منور و مستنیر ہوتا ہے۔ اس کے اقوال و اعمال کی اساس خلوص و للّٰہیت پر ہوتی ہے۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھتا، جو کچھ کہتا ہے یا کرتا ہے برملا کرتا ہے۔ "مصلحتِ وقت" نام کی شے اس کی حیاتِ مقدسہ سے یکسر خالی ہوتی ہے ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

وہ کسی کی رو رعایت نہیں کرتا، فیصلہ دشمن کے حق میں ہوتا ہے یا دوست کے حق میں، وہ اس کی بھی پروا نہیں کرتا، اس کی نظر خدا اور رسول علیہ السلام پر ہوتی ہے۔ جو فیصلہ اس بارگاہِ عالی سے صادر ہوتا ہے وہی نافذ کرتا ہے۔ بارہا تاریخ میں ایسے دور آئے ہیں جب فیصلہ دشمن کے حق میں ہوا ہے تو دوستوں نے خوشامد و تملق کا الزام لگایا ہے اور دوستوں کے حق میں ہوا ہے تو جانب داری اور طرف داری کی تہمت لگائی ہے مگر نفسِ قدسی ان تمام الزامات اور تہمت تراشیوں سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کے لیے اپنے فیصلے صادر کرتا ہے۔

پھر وقت ——— وہ وقت جو کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھاتا ہے ؎

برّاں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی

ہاں وہی وقت مستقبل میں اس فیصلے پر مہرِ صداقت ثبت کرتا ہے پھر دنیا کو اس کی اصابت رائے کا علم ہوتا ہے اور اس کی فکرِ رسا کی عظمت کے اَن مٹ نقوش دل پر مرتسم ہو جاتے ہیں ؎

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تحریرات کو اسی روشنی میں دیکھا جائے اور پھر پچھلے برسوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا ہے ان مشاہدات کی روشنی میں آپ کے تعمق فکر اور تبحر علمی کا اندازہ لگایا جائے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله۔

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔"

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

'دانش برہانی' کا انجام 'حیرت' ہے۔ 'دانش نورانی' کا انجام 'معرفت' ہے۔ اسی دانش نورانی کو قرآنی اصطلاح میں 'حکمت' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ومن يؤت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا۔

جس کو 'حکمت' ملی اس کو 'خیر کثیر' ملی۔ یہ حکمت خشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

راس الحكمة مخافة الله۔

حکمت کی جان خشیت الٰہی ہے۔

یہی خشیت قول و عمل میں اعتدال پیدا کرتی ہے۔ فکر میں اصابت اور قلب میں بصیرت پیدا کرتی ہے اور سیرت انسانی کو مستحکم سے مستحکم تر کرتی ہے۔

آئیے اب ہم اس مرد کامل کی 'دانش نورانی' کی تجلیاں دکھائیں جس کی جبین مبارک کو دیکھ کر حسین بن صالح المکی بے ساختہ پکار اٹھے تھے؛

انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین۔

میں اس پیشانی میں نورِ الٰہی پا رہا ہوں۔

مثل کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

"ترک موالات" کے سلسلے میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں لاہور اور لائل پور سے یکے بعد دیگرے دو استفتاء ارسال کیے گئے جن کا آپ نے مفصل و مبسوط جواب مرحمت فرمایا۔ بعد میں یہ فاضلانہ جواب ایک رسالے کی صورت میں "المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ" (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) کے تاریخی نام سے مولوی حسنین رضا خاں نے مطبع حسنی، بریلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف "اوراقِ گم گشتہ" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے جو بڑے سائز کے ۸۰ صفحات (۲۲۵ تا ۳۰۵) پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم نے ترک موالات سے متعلق فاضل بریلوی کے افکار و خیالات اسی رسالے سے اخذ کیے ہیں۔

پہلا سوال مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج، لاہور نے ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ کو ارسال کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اسلامیہ کالج لاہور کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ ترک موالات کے لیے ضروری ہے کہ سرکار برطانیہ سے جو امداد ملتی ہے، بند کی جائے اور یونیورسٹی سے کالج کا الحاق بھی ختم کیا جائے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ان دونوں صورتوں میں موالات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

مولانا آزاد کے اس ارشاد سے کالج میں بے چینی پھیل گئی چناں چہ سائل مذکور مولوی حاکم علی صاحب نے مولانا آزاد کے اس قول کے متعلق دریافت کیا کہ از رُوئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

فاضل بریلوی نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کے بعض نکات یہ ہیں:

۱۔ موالات اور مجرد معاملت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین ــــــــــــــ کسی سے ممنوع نہیں۔ ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے[1]

۲۔ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہٖ حلال ہے۔ وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا (بھی ضروری ہے)[2]

۳۔ یوں ہی ایک حد تک معاہدہ و موادعت کرنا بھی اور جو جائز عہد کر لیا ہے اس کی وفا فرض ہے، غدر حرام ہے[3]

نوٹ: ترک موالات کی تحریک میں انگریزی مال خریدنا جائز نہ تھا البتہ اس کی چیزوں سے تمتع جائز تھا مثلاً ڈاک، تار، ریل وغیرہ سے تمتع کو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ اس عجیب طرزِ عمل پر فاضل بریلوی اظہارِ حیرت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

۴۔ عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہوا۔ لینا حرام۔ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک جاری ہی ملک میں ہیں ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی تو یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج![4]

---

[1] رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۷

[2] ایضاً، ص ۱۰۷

[3] ایضاً، ص ۱۰۹

پہلا فتویٰ دُوسرے فتوے کا محرک ہے۔ پہلے فتوے کے مطالعہ کے بعد چودھری عزیز الرحمٰن ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائلپور) نے ۱۷۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو ایک مفصل استفتاء فاضل بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا جس کا لہجہ قدرے درشت تھا اس لیے جواب بھی زوردار تحریر فرمایا اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا۔

سائل مذکور چودھری عزیز الرحمٰن نے اپنے استفتاء میں ایک جگہ لکھا ہے:

غرض کہ ایسے وقت جب کہ اعداء اللہ نے اسلام کی عزت و شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ——— کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت و غیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں۔[1]

سائل مذکور نے بعض دیگر مسائل بھی پیش کیے ہیں مثلاً یہ کہ فوج وغیرہ میں جو مسلمان کلرک وغیرہ بھرتی کیے جاتے ہیں لامحالہ وہ مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی امداد کے مرتکب ہوتے ہیں اسی طرح اسکول اور کالجوں کو جو امداد دی جاتی ہے وہ غیر شرعی شرائط کے ساتھ مشروط کر دی جاتی ہے جس سے اخلاقی و دینی فساد پھیلتا ہے، پھر آخر میں سائل لکھتا ہے:

حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ سے ترک موالات (عدم تعاون) کرنا اسلامی حکم ہے یا نہیں ہے، اور گورنمنٹ سے اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کی امداد لینی اور یونیورسٹی سے الحاق رکھنا اندریں حالات چاہیے یا نہیں؟[2]

فاضل بریلوی نے اس استفتاء کے جواب میں موالات و ترک موالات، معاملت و

---

[1] ایضاً، ص ۲۳

[2] ایضاً

ترکِ معاملت وغیرہ پر مدلل بحث فرمائی ہے جو بڑی فکر انگیز ہے۔ ہم نے اس مفصل و مدلل جواب سے بعض باتیں اخذ کی ہیں جس سے نفسِ موضوع پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے، اور ایجاز و اختصار اور تفہیم مطالب کے لیے بعض مضامین کو مقدم و موخر کیا ہے۔

سب سے پہلے فاضل بریلوی نے ذمی، حربی، مستامن وغیرہ سے موالات و ترکِ موالات پر مدلل بحث فرمائی ہے اور ان کتابوں سے استدلال فرمایا ہے:

جامع الصغیر، درر، نتائج الافکار، ہدایہ، محیط، سیر کبیر، موطا امام محمد، کتاب الاصل، شرح سرخسی وغیرہ۔

پھر آگے چل کر موالات کی قسموں پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم (کی) ہے۔ اول حقیقیہ، جس کا ادنیٰ رکن میلانِ قلب ہے، پھر وداد پھر اتحاد، پھر اپنی خواہش سے بے خوف طمع انقیاد پھر تبتل ——— یہ بجمیع وجوہ کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

دوم صورت یہ ہے کہ دل اس کی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے کہ جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو، یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدر ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے۔

مدارات و مداہنت کے بیچ میں موالات صوریہ کی دو قسمیں ہیں۔ بڑا قسلا اور معاشرت ——— یہ تو صورتیں موالات کی ہوئیں ——— دسویں شکل مجرد معاملت ہے ——— یہ سوائے مرتد ہر کافر سے جائز ہے[1]

---

[1] ایضاً، ص ۲۰۰-۲۰۶

فاضل بریلوی ایک جگہ یہود و نصاریٰ و مشرکین سے موالات کے سلسلے میں بعض احادیث نقل فرماکر ان کی حکمتوں کو فقہی باریک بینی اور بصیرت کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے آخر میں استعانت کو زیر بحث لاکر فرماتے ہیں:

تحقیق مقام تو فیق منام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ التجا ۲۔ اعتماد ۳۔ استخدام

۱۔ التجا یہ کہ ذلیل گروہ اپنے کو ضعیف و کمزور یا عاجز پاکر کثیر و قوی و طاقت ور جتھے کی پناہ لے۔ اپنا کام بنانے کے لیے اس کا دامن پکڑے، یہ بداہتہً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دینا ہوگا۔[۱]

۲۔ اعتماد یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں، انھیں اپنا یار و یاور و معین و مددگار بنائیں۔ ان کی مدد و موافقت سے اپنے لیے غلبہ و عزت و کامیابی چاہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی و خیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل عون کے لیے دشمن کو معین و ناصر نہ بنائے گا۔[۲]

۳۔ استخدام یہ کہ کافر ہم سے دبا ہو، اس کی چوٹی ہمارے ہاتھ میں ہو، کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو۔ وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست و پا ہے۔ ہم سے خوف طمع رکھتا ہے۔ خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کر سکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔[۳]

یہ تو تھیں استعانت کی مختلف صورتیں لیکن جہاں تک مشرکین سے موالات کا تعلق ہے اس کے متعلق فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا ہے:

---

[۱] ایضاً، ص ۹۶، ۲

[۲] ایضاً، ص ۲۸

[۳] ایضاً، ص ۲۸

موالات مطلقاً ہر کافر مشرک سے حرام ہے۔ اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا
باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب (عزیز) ہو۔[1]

بعض مسلمان قائدین نے جو یہ عجیب و غریب طرزِ عمل اختیار کیا تھا کہ عیسائیوں سے تو
معاملت تک حرام قطعی اور مشرکین و کفار ہند سے معاملت تو معاملت، موالات بھی جائز بلکہ
مستحسن۔ فاضل بریلوی اس طرزِ عمل اور اندازِ فکر پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انگریزوں کی طرف اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجرد معاملت
بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ (آنکھیں)
پٹ ہو گئیں کہ ان سے ردّ اور اتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی و انقیاد فرض
"انھیں راضی کر دیا تو خدا کو راضی کر لیا۔"[2] تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ
جب مدِ نظر تھا اور ———— نہ اب مدِ نظر ہے۔[3]

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

ترک معاملت کو ترک موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترک موالات میں ہیں
سوجھیں مگر فتوائے مشرکانہ ہی سے ان میں استثنائے مشرکین کی پخ لگائی کہ
آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں، ہندو تو یارانِ اسلام ہیں
آیتیں تو صرف نصارٰی کے بارے میں ہیں نہ کل نصارٰی فقط انگریز۔[4]

---

[1] ایضاً، ص ۲۳۷

[2] ایک کانگریسی عالم کا قول نقل فرمایا ہے۔

[3] 'اوراق گم گشتہ'، ص ۲۴۹

[4] ایضاً، ص ۲۴۹

حربی مشرکوں سے موالات کو باطل قرار دیتے ہوئے جب فاضل بریلوی کتب احادیث و فقہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علم و دانش کا دریا بہہ رہا ہے۔ غور فرمائیں صرف چند صفحات میں اس قدر حوالے موجود ہیں:

جامع الصغیر، ہدایہ، عنایہ، نہایۃ البیان، جوہرہ نیرہ، مستصفی، کفایہ، وافی، کنز، تنویر، تفسیر احمدی، نہایہ، بحرالرائق، غنیہ، فتح اللہ المعین، کافی، فتح القدیر، معراج الدرایہ، محیط برہانی، چلپی زادہ، بدائع، سیر کبیر، جلالین شریف، تفسیر کبیر، صحیح مسلم شریف، جمل، قرطبی، تفسیر درمنثور، تفسیر جامع البیان، تفسیر عنایۃ القاضی، زرقانی علی المواہب، مجتبیٰ، جامع الرموز، ردالمحتار، مبسوط وغیرہ وغیرہ۔

ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی اپنی تحقیق بیان فرمانے کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے مؤیدین علماء کی تائیدات کا جائزہ لیتے ہیں اور ان حضرات نے آیات قرآنی کی جو تاویلات بلکہ تحریفات کی تھیں ان پر اس طرح تنقید فرماتے ہیں:

۱۔ ذکر تھا ذمی کا لے دوڑے حربی۔

۲۔ جواز، کتابی سے خاص تھا، یہ لے دوڑے مشرک۔

۳۔ جواز بالجماع، قائلین حاجت سے مقید تھا اور یہ خود اپنا جرم قبول لے کر ہم کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔

۴۔ انھیں رازدار، دخیل کار بنانا، حرام قطعی تھا، یہ اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر ان کے ہاتھ بک گئے، انھیں اپنا امام و پیشوا بنایا، صاف لکھ دیا ان کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کر دی![1]

---

[1] ایضاً، ص ۲۰۵۔

۵۔ ان کی تعظیم، انھیں مسلمانوں پر استعلا دینا حرام قطعی تھا، انھوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم و اعلا میں نہ چھوڑا۔[1]

۶۔ مشرکوں پر اعتماد، حرام قطعی بلکہ تکذیب کلام الٰہی تھا جس کا بیان زیر آیت اولیٰ گزرا۔ انھوں نے اعتماد درکنار، قطعاً انتہائی اتحاد و اعتقاد کے بیچ بھی گزر گئے ان کے آئینے میں ان کی صورتیں منقوش دیکھ لیجئے، ۲۲ کروڑ ہندوؤں کو اپنا یار و یاور بنانا کیا دلی خیرخواہی پر پورے اعتماد کے بغیر ممکن ہے۔[2]

۷۔ اتنا تو منفق لیڈران کو بھی مسلّم کہ اگر ان کی طرف حاجت پڑے اور ان سے غدر کا امن ہو تو استعانت درست یعنی حاجت نہ ہو تو حرام، ان کے غدر سے امن نہ ہو تو حرام ـــــ حاجت کا انکار خود لیڈران کو ہے اور ان کے غدر سے امن پر کیا دلیل قائم کرلی گئی۔[3]

مؤیدین ترک موالات کی ان فاحش غلطیوں کی نشان دہی فرمانے کے بعد فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرات لیڈرس نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی۔ اور دونوں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے۔ اس میں دونوں کی رنگت رچائی، افراط یہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی، فرض شرعی۔"[4]

---

[1] ایضاً، ص ۲۸۵

[2] ایضاً، ص ۲۸۹

[3] ایضاً، ص ۲۸۶

[4] ایضاً، ص ۲۹۵

مشرکین ہند سے وداد و اتحاد کے وقت مسلمان قائدین نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں کو فراموش کر دیا تھا حالاں کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ جن سے دوستی کی جا رہی تھی اس کے ماضی و حال کو اچھی طرح پرکھ لیا جاتا تاکہ حال میں اطمینان نصیب ہوتا اور مستقبل روشن و تابناک ہوتا۔ اگر اس کا ماضی اخوت و مروت کی تائید نہیں کرتا تو دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کہ فانہ سیعود الی ماخلق علیہ اور اس سے ترک تعاون کو تعاون پر ترجیح دی جائے۔ فاضل بریلوی نے موالات و ترک موالات پر محققانہ بحث کے دوران اس کے تاریخی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جن مشرکین سے دوستی کا دم بھرا جا رہا ہے ان کا ماضی کتنا مہیب و خوفناک ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> کیا ہم سے وہ دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد برپا نہ ہو گئے؟ کیا کٹارپور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم، جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ منہ کو آئے۔[1]

آگے چل کر فرماتے ہیں:

> کیا یہ مقدس بے گناہوں کے خون، یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآن عظیم کی اہانتیں، انھیں ناپاک رکشاؤں، انھیں مجرمی سفاک سبھاؤں کے نتائج نہیں؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، آپ جس شہر، جس قصبے، جس گاؤں میں چاہو آزما دیکھو، اپنی مذہبی قربانی کے لیے گائے پچھاڑو، اس وقت

---

[1] ایضاً، ص ۲۴۹ نوٹ: ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا، ۱۹۱۴ء میں مظفرنگر میں بلوہ ہوا، ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ، شاہ آباد، گیا، اعظم گڑھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے جن کی نظیر اس دور میں بھی نہیں تھی۔

یہی تمہارے بائیں پسلی کے نکلے، یہی تمہارے سگے بھائی، یہی تمہارے منہ بولے بزرگ، یہی تمہارے آقا، یہی تمہارے پیشوا، تمہاری آخری پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں؟[۱]

پھر فرماتے ہیں:

وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی، صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہندو، دین میں ہم سے محارب ہیں؟[۲]

جب آیۂ کریمہ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ کے تحت ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں سے کہا جاتا ہے کہ قرآن تو ان سے جنگ کرنے کے لیے کہتا ہے اور تم ان سے دوستی رچا رہے ہو تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ بیشک جن مشرکین نے مسلمانوں سے جنگ کی ہے ان سے جنگ کی جائے مگر تمام مشرکینِ ہند سے کیوں کی جائے؟ فاضل بریلوی اس کا الزامی جواب یہ دیتے ہیں کہ ترکوں کے خلاف چند انگریزوں نے حصہ لیا ہے۔ پس ان انگریزوں سے کیوں ترک موالات و ترک معاملت کی جائے جنھوں نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا؟۔ بات پتے کی فرمائی، مگر انسان جذبات کی رو میں بہہ کر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، انھیں تمام غیر معقول تجاوزات کو مٹانے کے لیے شریعت نبوی کو نافذ کیا گیا۔ یہ اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ امن تو امن عین جنگ کے دوران جب کہ جذبات پورے شباب پر ہوتے ہیں، عدل و انصاف اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔ یہ خصوصیت اسلام کو

---

[۱] [۲] ایضاً، ص ۵۰-۲

دَورِ جدید میں بھی ممتاز کرتی ہے کہ تہذیب کے داعی ایامِ امن میں خاموشی کے ساتھ
اور ایامِ جنگ میں کھلم کھلا مخلوقِ الٰہی کو بلاامتیاز بزرگ و خورد اور عورت و مرد نیست و نابود
کرتے ہیں۔ بات پُرانی نہیں ہُوئی اس وقت بھی ایسی جنگیں لڑی جا رہی ہیں جہاں یہ دلسوز
مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حد سے بڑھ جانے کا ذکر آیا ہے تو یہ بھی بتا تا چلوں کہ جب دسمبر ۱۹۱۸ء میں دہلی کانگریس کے
صدر پنڈت مدن موہن مالوی نے اجلاس کی آخری نشست میں مسلمانوں سے یہ درخواست کی
کہ وہ ہندوؤں کی دل آزاری سے باز رہیں (یعنی گائے کی قربانی ترک کر دیں) اور برادرانہ
محبت سے ہاتھ بڑھائیں تو غالباً جواباً دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر
مختار احمد انصاری کی تحریک پر اور حکیم اجمل خاں کی کوشش سے یہ تجویز پاس کرا لی کہ ہندوؤں کے
جذبات کا احترام کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دیں۔
اسی زمانے میں گاندھی نے ترکِ حیوانات کا پرچار کیا، ان تمام باتوں نے بہت کچھ اثر دکھایا
کچھ عرصہ بعد مولینا عبد القدیر بدایونی نے جو فاضل بریلوی کے مخلصین میں تھے، اس تجویز کی مخالفت
کرتے ہوئے بڑا مسکت جواب دیا، جو دسمبر ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ سے اس نام سے شائع ہُوا،
"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام"

گاؤکشی موقوف کر دینے کی ایک کوشش اکبر بادشاہ کے زمانہ میں دسویں صدی ہجری
میں ہوئی تھی جو کامیاب ہو گئی تھی۔ چنانچہ اکبر بادشاہ نے ایک حکم کے ذریعہ سلطنت کے
طول و عرض میں گائے کی قربانی ممنوع قرار دے دی تھی اور قصابوں کے لیے حکم عدولی
کی صورت میں اذیت ناک سزائیں تجویز کی تھیں۔ یہ تمام حالات آئینِ اکبری (ابوالفضل)،
منتخب التواریخ (عبدالقادر بدایونی) اور منتخب اللباب (خافی خاں) وغیرہ کتبِ تاریخ

میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس حکم کے خلاف سختی سے قدم اٹھایا اور اندر ہی اندر راہ ہموار فرمائی۔ اکبر کی حیات تک تو یہ پابندی لگی رہی مگر بعد میں جہانگیر کے دور میں حضرت مجدد کی مساعی رنگ لائیں اور فتح کانگڑہ کے موقعہ پر جہانگیر نے حضرت مجدد کی موجودگی میں قلعہ میں سب سے پہلے گائے ذبح کی۔ اس طرح اس ہندو ذہنیت کا تدارک کیا جو شعائر اسلامی میں دخیل ہو چکی تھی۔

فاضل بریلوی مسئلے کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض قائدین کی کوتاہ اندیشی اور خود غرضی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض قائدین نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کر جانے پر اکسایا تھا، بہت سے لوگ اسی طرح برباد ہوئے مگر قائدین میں کوئی نہ سرکا۔ اس بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی فرماتے ہیں،

> ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا، جو بیچارے نہیں آگئے۔ ان مصیبت زدوں پر جو گزری گزری۔ یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے۔ پترا لگانہ پھٹکری اور ترک تعاون کیا، کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں، نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انھیں کیوں نہیں چھوڑتے؟ کیا واحد قہار نے نہ فرمایا،
>
> لم تقولون ما لا تفعلون ؟

یہاں فاضل بریلوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گروہ احرار نے اپنے رفیقوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ اس سلسلے میں ایک ــــــــــ سبق آموز واقعہ یاد آیا جو احقر کا چشم دید ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب کہ ناموس مسلم کا سوائے خدا کے کوئی محافظ نہ تھا، دہلی شہر فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ عوام و خواص ترک وطن کر کے جا رہے تھے

اسی دہلی کے ایک گوشے میں مسجد جامع فتحپوری میں ایک مردِ خدا آگاہ[1] تشریف فرما ہے۔ مسجد کے چاروں طرف موت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں۔ فرمایا:

"آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو فقیر کیا جواب دے گا۔"

اسی مردِ کامل نے جس کا نام نامی اسم گرامی مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ ہے، جس کے فرقِ اقدس پر مسجد جامع فتحپوری پر شاہی خطابت و امامت کا تاج رکھا تھا اور جو مسلمانانِ دہلی کے لیے ایک عظیم سہارا تھا۔ کراچی کے زمانۂ قیام میں، بعض احباب کے اس اصرار پر کہ پاکستان میں مستقل قیام فرمایا جائے، کہا تھا:

دہلی کے غریب اور مظلوم مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے ان کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا آؤں؟

سبحان اللہ! یہ ہے حق رفاقت، یہ ہے غم خواری و دل داری ——— فاضل بریلوی کے سامنے اسی قسم کی مثالیں تھیں۔ اسی لیے ہجرت افغانستان کے موقع پر عوام کی ہجرت و تباہی اور خواص کی کنارہ کشی ان پر سخت گراں گزری، جو کچھ فرمایا دل سوزی کے ساتھ فرمایا۔ ان حضرات کی پاک زندگیاں تو اس شعر کے مصداق تھیں ؎

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

---

[1] یہ مردِ خدا آگاہ، اس دور میں اکابر اسلاف کی عمدہ یادگار تھے۔ فاضل مصنف اسی شجرِ طیبہ کی ایک شاخ اور راقم الحروف اسی بارگاہِ عالی کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔

(اختر شاہجہانپوری مظہری)

فاضل بریلوی ترک موالات کے مذہبی، تاریخی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے معاشی واقتصادی پہلو بھی اُجاگر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ترک موالات کے نتیجے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو اقتصادی عدم توازن متوقع تھا اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :

> اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمھارے جگری خیرخواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے؛ اور تمھاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے؛ ——— حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں اور جو دعویٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں ——— سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمینداری چھوڑی ہو کہ یہاں مالی نسبت اتنی یا اس سے بھی کم ہے۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ع
>
> خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا[1]

اقتصادی و معاشی جائزے کے بعد فاضل بریلوی نفسیاتی تجزیہ بھی فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ رازہائے پنہانی وانکشاف فرماتے ہیں کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> آؤ اب تمھیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔
>
> دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:
>
> ۱۔ اول اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

---

[1] ایضاً، ص ۲۹۸

۲۔ دوم یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

۳۔ سوم یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے یہ درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، اخیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

اوّلاً جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھرا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں۔ بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد، مزاراتِ اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً جب یہ بھی نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہر نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ اور محکمے میں صرف ہنود رہ جائیں۔[۱]

فاضل بریلوی اپنے جواب کے آخر میں اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر ماتم فرماتے ہیں اُن مسلمان قوم پرستوں پر طنز کے بھرپور وار پر وار کرتے ہیں جو ہندوؤں سے محبت و دوستی کا دم بھرتے تھے اور ان کی محبت کی خاطر اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے تھے۔ اس موقع پر فاضل بریلوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ادبی حیثیت سے بھی اردو نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ تحریر کیا ہے واقعات و کیفیات کی تصویر ہے۔ فاضل بریلوی کی اس تحریر میں درد و الم اور طنز و مزاح کی گنگا جمنی نظر آ رہی ہے، جس سے ان کے قلبی کرب کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں،

واے غربت اسلام و انصاف، کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے

---

[۱] ایضاً - ص ۲۹۹۔

بالفعل محاربین سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار، باتیں دانت ہیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین آتا تلین، ظالمین، کافرین گرفتار ہوئے، ان پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے۔ تمہاری چھاتی دھڑکی، مامتا پھڑکی، گھبرائے، تلملائے، سٹپٹائے، جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے، فوراً آگ بگولا گرم، دھواں دھار، ریزولیشن پاس کیا، ہے ہے! یہ ہمارے پیارے ہیں، آنکھ کے تارے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں، یہ ہمارے سگے ہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے، ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا، لہٰذا ان کو معافی دیجئے، فوراً ان سے درگزر کیجئے۔ ۱؎

اور آخر میں مسلمانوں سے ایک درد بھری اپیل کرتے ہیں:

"تبدیلِ احکام الرحمٰن اور اختراعِ احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑ دو۔ مرتدین کا ساتھ چھوڑ دو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامنِ پاک تمہیں اپنے سائے میں لے، دنیا نہ ملے نہ سہی، دین تو ان کے صدقے میں ملے یایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔ ۲؎

۱؎ ایضاً ص ۲۹۴ ، ۲۹۰ ۲؎ ایضاً ص ۳۰۵

نوٹ: ترکِ موالات کے سلسلے میں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی) اور مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی فتوے لیے گئے تھے۔ دونوں حضرات کی تحقیق فاضل بریلوی کے مسلک کے مطابق ہے۔ یہ جوابات بھی اوراقِ گم گشتہ کے صفحات ۱۹۰ تا ۲۶۵ اور ۱۳۳ تا ۱۳۴ پر موجود ہیں۔

(مسعود)

تحریکِ پاکستان

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

(ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔پی۔ایچ۔ڈی۔ڈی۔لٹ)

سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ، پاکستان)

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی و دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء و فضلاء یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین و مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ کہ وہ کونسا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا، وہ کونسا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔"

(ہفت روزہ "اُفق" کراچی) شمارہ ۲۲ جنوری تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۰)

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری

(سابق صدر شعبۂ اُردو، اُردو کالج، کراچی اور پاکستان کے مشہور محقق و قلمکار)

"فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (۱۸۵۶ء — ۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے نامور عالم، فقیہہ، ریاضی داں، مصنف اور عبقری تھے۔ علوم ریاضی میں وہ مجتہدانہ دسترس رکھتے تھے۔ اسی طرح علمِ فقہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۷)

'خیال' کی عظمت سے کس کو انکار ہے؟ قوموں کی آبادی و بربادی اسی 'خیال' کی کج روی و راستی روی پر منحصر ہے ——— فاضل بریلوی نے غیر منقسم ہندوستان کے اُس پُرآشوب دور میں جب کہ متحدہ ہندوستان اور متحدہ ہندو مسلم قومیت کے نعرے بلند کیے جا رہے تھے، اپنے اور بیگانوں کی ملامت کی پروا کیے بغیر بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ ایک نیا خیال اور ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ یہ وہ جذباتی دور تھا جب کہ انگریز کے حق میں بولنا اس کے خلاف بولنے سے کہیں زیادہ آسان تھا لیکن پھر بھی پاکستان کے ایک قلم کار پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک جگہ یہ عجیب اظہارِ خیال فرمایا ہے :

> انگریز نے توڑ کے لیے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے ——— یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی (ف ۱۹۴۳ء) اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) ہر دو مختلف الخیال علماء نے ترکِ موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیے گئے۔[1]

بنا بر اس تحریر سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ فاضل بریلوی برطانوی حکومت کے خیرخواہ اور تحریکِ آزادی کے دشمن تھے۔ اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ محض تاریخی نقطۂ نظر سے اُن مخفی تاریخی حقائق و شواہد کو واشگاف کیا جائے جن کے اخفاء نے مخلصین کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور معاندین و مخالفین کے لیے راہ ہموار کر دی۔

---

[1] محمد ایوب قادری: 'مقدمہ' پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ' (از محمد رشید احمد) مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۹۷۰ء، ص ۱۲۰

فاضل بریلوی نے حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں دو قومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اسی سال[1] فاضل بریلوی رحلت فرما گئے لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے جس نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ چناں چہ آپ کی زندگی ہی میں ان حضرات نے اپنا کام شروع کر دیا تھا، ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء سے قبل جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی۔ اس جماعت نے اتمام حجت تامہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ ترک موالات کے حامی علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے مسئلہ ہندو مسلم متحدہ قومیت پر صدر جمعیۃ العلماء ہند مولانا ابوالکلام آزاد سے تبادلۂ خیال کیا اور ۹ رجب ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء کو بریلی کے ایک جلسہ عام میں جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہو رہا تھا بیباکانہ اپنے موقف کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح فاضل بریلوی کے دوسرے خلیفہ اور جلیل القدر عالم مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے دہلی جا کر مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور ان کو مشرکین ہند کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔[2] مولانا نعیم الدین موصوف نے ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والی ہندو مسلم اخوت کے خلاف یکے بعد دیگرے دو مضامین قلم بند کیے، خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں، (السواد الاعظم، مراد آباد، ماہ شوال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۱۹ء) اور موالات (حیات صدر الافاضل، ص ۱۰۰، ۱۰۵)

ـــ ان دونوں مضامین میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے اشتراک و اختلاط کے عدم جواز اور اس کے مہلک نتائج پر مدلل اور جامع بحث کی ہے۔

۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ میں مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مطالبۂ پاکستان پیش کیا،

---

[1] بلکہ اس سے بہت پہلے ۱۸۹۷ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، پٹنہ کے اجلاس میں آپ دو قومی نظریہ پر اظہار خیال فرما چکے تھے لیکن اس مسئلے پر تحریری دستاویز ۱۹۲۰ء میں پیش کی۔ مسعود

[2] غلام معین الدین نعیمی، حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷۳

علماء اہلِ سنّت (مسلک بریلوی) شروع سے دو قومی نظریہ کے داعی تھے اس لیے انھوں نے اور اُن کے زیرِ اثر پاک و ہند کے لاکھوں مسلمانوں نے تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے (جو ایک عرصہ پہلے خود مولانا کی تحریک پر قائم ہوئی تھی) پاک و ہند کے طول و عرض میں دورے شروع کردیے۔[۱]

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے، صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس (پنجاب)، مولانا ابوالحسنات محمد احمد (لاہور) کے استفسار پر جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کے مطالعے سے ان کے عزم و حوصلے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے یہ تربیت یافتہ حضرات تحریکِ پاکستان کے لیے کتنے پُرجوش اور مخلص تھے، مکاتیب کے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں؛

(۱) "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی، ایک ایوانِ عام، ایک ایوانِ علماء ——— ایوانِ علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہوگا۔[۲]

(۲) پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔[۳]

(۳) الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں۔[۴]

---

۱ ایضاً، ص۔ ۱۸۳ ۲، ۴ ایضاً، ص ۱۸۶، مکتوب ۲

۳ ایضاً، ص۔ ۱۸۷ مکتوب ۳

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا گیا اور جلد ہی ایک آل انڈیا اجلاس کا اعلان کر دیا گیا، چنانچہ ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء/۱۳۶۵ھ کو بنارس میں چار روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں پاک و ہند کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے شرکت کی اور اجلاس عام میں ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع ہوا[1] (ویسے آل انڈیا سنّی کانفرنس کے مرکزی دفتر میں پہنچنے والی اطلاعات کے مطابق علماء اہل سنّت کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز تھی۔ خطبہ صدارت، ص ۲۲) ——— صدر جماعت استقبالیہ جمہوریت اسلامیہ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا خاں) نے خطبۂ صدارت پڑھا، جس کے بعض اہم اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ جن سنّیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس مسئلے میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے پر اسلام کی، قرآن کی، آزاد حکومت ہو۔[2]

۲۔ ہم سے مسلم لیگ کو اسی کی امید رکھنی چاہیے کہ اس کا جو قدم سنّیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا (یعنی اسلام اور قرآن کی آزاد حکومت) اور اس کے جس پیغام میں اسلام و مسلمین کا نفع ہوگا، آل انڈیا سنّی کانفرنس کی تائید اس کو بے دریغ حاصل ہو گی اور دینی امور میں ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سنّی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنی ہو گی اور ضرور کرنی پڑے گی۔[3]

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی موصوف نے آل انڈیا سنّی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اجمیر شریف ۵، ۶ رجب ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں جو خطبۂ صدارت دیا تھا اس کے یہ اقتباسات قابل توجہ ہیں:

۱؎ ایضاً، ص ۱۰۹ ۲؎ سید محمد محدث اشرفی، خطبۂ صدارت جمہوریہ اسلامیہ (۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء)، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴ ۳؎ ایضاً، ص ۲۶

۱۔ اب بحث کی لعنت چھوڑو ، اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ ، اٹھ پڑو ، کھڑے ہو جاؤ ، چلے چلو ، ایک منٹ بھی نہ رکو ، پاکستان بنا لو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اسے سنیو ! سُن لو کہ صرف تمہارا ہے[1]

۲۔ اگر ایک دم سارے سُنّی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا ؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا ؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا ؟[2]

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بنارس (اپریل ۱۹۴۶ء) میں اتفاق رائے سے جو قرار داد منظور کی گئی اس کی بعض اہم دفعات یہ ہیں :

۱۔ یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علمائے و مشائخ اہل سنت ، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں ۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لیے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے :

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی) ، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی) ، مولانا مصطفیٰ رضا خاں (ابن رضا بریلوی) ، مولانا امجد علی (خلیفہ رضا بریلوی) ، مولانا عبد العلیم میرٹھی (خلیفہ رضا بریلوی) ، مولانا ابو الحسنات محمد احمد (ابن خلیفۂ رضا بریلوی) ، مولانا ابو البرکات سید احمد (ابن خلیفۂ رضا بریلوی) ، مولانا عبد الحامد بدایونی (دیوان سید آل رسول (سجادہ نشین درگاہ ، اجمیر شریف) ، خواجہ قمر الدین سیالوی

---

[1] سید محمد محدث اشرفی : الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ ، مطبوعہ لاہور ، ص ۔ ۳۰

[2] ایضاً ، ص ۔ ۲۹

شاہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف، سید امین الحسنات مانکی شریف اور مصطفیٰ علی خاں [1]

۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ کو مملکتِ پاکستان وجود میں آئی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس نے اس مملکت کے دستور کی طرف توجہ دی چنانچہ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۷ھ میں ناظم اعلیٰ مولانا نعیم الدین مراد آبادی، پاکستان تشریف لائے۔ کراچی اور لاہور کے علماء سے تبادلۂ خیال کیا، طے یہ پایا کہ مولانا نے موصوف اسلامی دستور کا خاکہ بنا کر پیش کریں جو قومی اسمبلی سے منظور کرا لیا جائیگا۔ لیکن اچانک علالت جان لیوا ثابت ہوئی۔ گیارہ دفعات تحریر کرنے پائے تھے کہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں وصال فرمایا [2]

چونکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لیے مارچ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۸ھ میں مدرسہ انوار العلوم (ملتان) میں علماء اہل سنت کا ایک اجتماع ہوا اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام بدل کر جمعیۃ العلماء پاکستان رکھا گیا۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد کو صدر اور مولانا احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا (حیات صدر الافاضل ص ۱۹۶)؛ ہندوستان میں اس تحریک کو کلیۃً ختم کر دیا گیا چونکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد حقیقی صرف تعمیر پاکستان تھا۔

پاکستان میں مولانا احمد رضا خاں کے تلامذہ و متبعین نے شروع سے لے کر اب تک غنیمت کردار ادا کیا ہے، پاکستان کے سیاستدان کی وفاداریاں غیر مشکوک ہیں، پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی مولانا احمد رضا خاں کے متبعین اور مؤیدین اپنی سی کوشش کرتے رہے اور کر رہے ہیں، بکثرت علماء ہیں جن کا استقصاء مشکل ہے چند ایک یہ ہیں: پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر مانکی شریف، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الغفور ہزاروی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا سردار احمد، مولانا عبد السلام باندوی، مولانا ابوالحسنات محمد احمد، مفتی صاحبداد خاں رحمہم اللہ تعالیٰ اور مولانا ابوالبرکات سید احمد، مولانا احمد سعید کاظمی، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا عبد الستار خاں نیازی، مولانا عارف اللہ میرٹھی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا شاہ احمد نورانی، پیر محمد کرم شاہ، مفتی شجاعت علی، مولوی محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا جمیل احمد نعیمی وغیرہ وغیرہ [3]

---

[1] حیات صدر الافاضل، ص ۱۹۰ (ملخصاً)　　[2] ایضاً، ص ۱۹۵

[3] علماء و مشائخ اہل سنت نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات سر انجام دیں، ان کی تفصیل کے لئے کتاب "اکابر تحریک پاکستان" مرتبہ محمد صادق قصوری کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔ (ناشر)

ادارۂ مسعودیہ کی کتب ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ

۲/۶،۵۔ای ناظم آباد، کراچی۔فون 6614747

۲۔ ضیاءالاسلام پبلی کیشنز۔

ضیاءمنزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم، اے، جناح روڈ،

عیدگاہ کراچی فون نمبر 2633819-2213973

۳۔ فرید بک اسٹال

38۔اردو بازار، لاہور، فون:042-7224899-7312173

۴۔ ضیاءالقرآن

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون:2630411-2210212

۵۔ مکتبہ غوثیہ

پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی نمبر ۵

فون:4910584-4926110

۶۔ مکتبہ الجامعہ نقشبندیہ بستان العلوم

کڈہالہ (مجاہدہ آباد)، آزاد کشمیر براستہ گجرات، اسلامی جمہوریہ پاکستان

IDARA-I-MAS'UDIA, KARACHI

SINCE 1992

Islamic Republic of Pakistan

IDARA-I-MAS'UDIA, KARACHI ادارۂ مسعودیہ۔ کراچی